پسند کی شادی اور
نکاح میں ولی کی حیثیت

فقہی مباحث اور
قانون سازی کی ضرورت

ڈاکٹر سیّد محمد انور

پسند کی شادی اور

نکاح میں ولی کی حیثیت

فقہی مباحث اور قانون سازی کی ضرورت

ڈاکٹر سیّد محمد انور

بسم الله الرحمن الرحیم

Pasand ki Shadi Aur Nikah Main Wali Ki Hesiyat
Author: Dr. Syed Mohammad Anwer

نامِ کتاب : پسند کی شادی اور نکاح میں ولی کی حیثیت
فقہی مباحث اور قانون سازی کی ضرورت

مصنف : ڈاکٹر سیّد محمد انور

ایڈیشن : اول، 1996ء
ثانی، اگست 2017ء

ناشر : وحدت فاؤنڈیشن۔ اسلام آباد

ISBN 969-8499-00-8

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

ابتدائیہ

پہلا حصہ

معاہدہ نکاح اسلام کی نظر میں

دوسرا حصہ

اسلام کا مزاج اور رشتہ ازدواج

تیسرا حصہ
ولی کی تعریف واختیارات

چوتھا حصہ

ائمہ کا اختلاف اور اس کے اسباب

پانچواں حصہ

مسئلہ کا معاشرتی اور عملی پہلو

چھٹا حصہ

مسئلہ کا قانونی پہلو اور تجاویز

اختتامیہ

انتساب

اس فکر کے نام جس کے امین

شاہ ولی اللہؒ، علامہ محمد اقبالؒ

اور مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ ہیں۔

ابتدائیه

پیش لفظ

از جسٹس ریٹائرڈ تنزیل الرحمٰن

سابق چیف جسٹس فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان

چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان

سینئر جج ہائی کورٹ آف سندھ

یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ ایک عاقل مرد اپنا نکاح خود کرنے کا اہل و مجاز ہے۔ اسی طرح ایک بالغہ ثیبہ (شوہر دیدہ عورت جو مطلقہ بیوہ ہو) بھی اپنا نکاح خود کرنے کی مجاز ہے۔ لیکن ایک باکرہ، عاقلہ، بالغہ عورت کے اپنا نکاح خود کرنے کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین کے آخری قول کے مطابق ایک باکرہ، بالغہ وعاقلہ عورت کو اپنا نکاح بلاوساطت ولی خود کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

اس بارے میں شیعہ مکتب فکر بھی حنفیہؒ سے متفق ہے لیکن مالکیہ اور شافعیہ مکاتب فکر کے نزدیک ایک باکرہ، بالغہ وعاقلہ عورت اپنا نکاح ولی کی وساطت کے بغیر نہیں کرسکتی۔

1997ء میں بمقدمہ صائمہ لو میرج کیس لاہور ہائی کورٹ کے ایک فیصلے کے بعد اس مسئلہ کی ذرائع ابلاغ نے خاصی تشہیر کی جس کے نتیجے میں عوامی حلقوں کی جانب سے مختلف رد عمل سامنے آئے۔ غیر ملکی ذرائع ابلاغ نے بھی فیصلے کی تشہیر میں نمایاں دلچسپی کا اظہار کیا۔

عزیزم سید محمد انور ایڈووکیٹ (اسلام آباد) نے "نکاح میں ولی کی حیثیت" کے زیر عنوان تقریباً اڑہائی سو صفحات پر مشتمل مبسوط کتاب سپرد قلم فرمائی ہے۔ کتاب کے آخر میں کتابیات کی فہرست بھی شامل ہے جن سے انہوں نے اس کتاب کی تیاری میں استفادہ کیا ہے۔

موصوف کی خواہش پر مجھے اس کتاب کو قبل از طباعت ایک نظر دیکھنے کا موقع ملا۔ اگرچہ اسلامی کتب فقہ میں اس موضوع پر مفصل بحثیں موجود ہیں لیکن خالصتاً اس موضوع پر ایک علیحدہ کتاب کی شکل میں موصوف کی کوشش قابل تحسین ہے۔ خاص کر صائمہ لو میرج کیس کے بعد اس ضرورت عام حلقوں میں محسوس کی جارہی تھی۔

موصوف نے نہ صرف موضوع کا فقہی جائزہ پیش کیا ہے بلکہ اس کے معاشرتی پہلو کو بھی خاصی اہمیت دی ہے۔ ساتھ ہی چند علمی تجاویز بھی پیش کی ہیں جن پر مسئلہ کے قانونی حل کے سلسلے میں عدالتیں غور کر سکتی ہیں۔

اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ موضوع سے متعلق تمام احادیث اور فقہی روایات یکجا کردی گئی ہیں۔ اس طرح سارا مواد ایک جگہ جمع ہوگیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب نہ صرف عام تعلیم یافتہ افراد بلکہ طبقہ وکلاء اور جج صاحبان سبھی کے لیے کارآمد اور قابل استفادہ ہے۔

اس کتاب کی زبان سلیس سادہ اور عام فہم ہے۔ البتہ عام قاری کے لیے موضوع سے متعلق عام فقہی اصطلاحات سے مناسبت اور واقفیت ضروری ہے۔

اس کتاب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ موضوع کو اس کے صحیح تناظر میں سمجھے کیلئے اسلام کیلئے اسلام کے معاشرتی نظام پر خاصا زور دیا گیا ہے۔ اور فی زماننا مغربی تعلیم وتہذیب اور مرد وزن کے بے باکانہ اختلاط سے جو خرابیاں پیدا ہورہی ہیں ان کے تدارک کی طرف بھی موصوف نے توجہ دلائی ہے جس کے لیے موصوف کی کوشش قابل صد ستائش ہے۔ مجھے امید ہے سید محمد انور کی یہ کتاب اسلامی فقہی ادب میں ایک قابل قدر اضافہ شمار ہوگی۔

کراچی

7 ستمبر 1999ء　　　　　　　　　　　　　　　　　　(تنزیل الرحمٰن)

مقدمہ

دین حق -اسلام- گو ہر زمانہ میں کفار کی تنقید کا نشانہ بنا رہا ہے لیکن اس تنقید کا موجودہ رنگ وانداز سب سے زیادہ خطرناک ہے یہ بات بھی درست ہے کہ اسلام کے مبادی پر جو تنقید ماضی میں یہود ونصاریٰ کی طرف سے کی جاتی رہی ہے وہ اور موجودہ دور کی تنقید میں معنوی لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اضافہ ہے۔ہاں مگر یہ ضرور ہے کہ اس تنقید کے کرنے کے انداز میں بہت نمایاں فرق ہے۔

گزشتہ زمانہ میں یہود ونصاریٰ یہ تنقید خود ہی کیا کرتے تھے یعنی ان کے بڑے بڑے مبلغ وپادری بچارے طرح طرح کی الزام تراشیاں کیا کرتے تھے لیکن اب انہوں نے اس تنقید کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے اپنی ہاں میں ہاں ملانے والے چند ایسے لوگ اپنے ساتھ شامل کر لیے ہیں جو کہ ان کی معاشرت سے مکمل طور پر متاثر ہیں۔ یہ لوگ اتنی حد تک تو مسلمان کہلائے جانے کے مستحق ہیں کہ مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے ہیں یا ان کے نام مسلمانوں والے ہیں لیکن دوسری طرف ان کی تعلیم وتربیت، ان کی ذاتی معاشرتی اقدار، پسند وناپسند سب کی سب ملحدانہ ہیں۔ ایسے لوگوں کو بجا طور پر کفار کا فطری آلہ کار (Natural Agent) کہنا درست ہوگا۔

یہ لوگ اسلام پر تنقید کے حوالہ سے سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں کیونکہ ظاہری وضع قطع میں یہ لوگ اس معاشرے کا حصہ ہوتے ہیں جس کا یہ لوگ حصہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اپنی پسند وناپسند کے حوالہ سے اور اپنی سوچ کے انداز سے یہ لوگ کلی طور پر ان لوگوں سے متفق ہوتے ہیں جو ان کی معاشرت ومذہب کو اپنی تنقید کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایسے لوگوں کی طرف سے کوئی ایسی بات کی جاتی ہے

جو کہ اگر بین وظاہر مخالف کرے تو عام آدمی اس پر کان دھرنا بھی گوارہ نہ کرے لہٰذا وہ معاشرے میں زیادہ الجھاؤ پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ مثلا:

اگر کوئی غیر مسلم اسلام کے "نظام پردہ" پر تنقید کرے تو شاید عوام الناس اس پر کان بھی نہ دھریں اور یہ کہہ کر اس اعتراض کو نظر انداز کردیں کہ یہ بے چارے غیر مسلم اس دین فطرت کی حکمتوں سے ناواقف ہیں اسی لیے ایسی بے سود تنقید کرتے ہیں لیکن جب ایسی لایعنی تنقید کسی ایسے شخص کی طرف سے جو کہ غیر مسلموں کا فطری آلہ کار (Natural Agent) ہے آتی ہے تو وہ اس معاشرہ میں ایک قسم کا ذہنی الجھاؤ پیدا کرتی ہے۔ عوام الناس جن کی زیادہ دور رس نگاہ نہیں ہوتی اس تنقید سے زیادہ پریشان ہوتے ہیں کہ یہ آواز تو ہمارے ہی معاشرہ سے اٹھ رہی ہے جب کہ حقیقت یہ نہیں ہوتی۔

ایسی تنقید کا منطقی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ طاغوتی طاقتیں جو کام براہ راست خود کرنے سے قاصر ہیں وہ اپنے آلہ کاروں کے ذریعہ کرا رہی ہیں اور بہت خوب کرا رہی ہیں۔ اب یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ اس سے بھی ایک قدم اور آگے یہ کہ یہ طاقتیں ایسے لوگوں میں سے کچھ کو چن کر ان کی خوب مالی امداد کرکے ان لوگوں کو کسی نہ کسی مخصوص ایجنڈے پر کام کرنے کو کہتی ہیں اور مشاہدہ میں آیا ہے کہ ایسے لوگ اس معاملہ میں شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار ہوتے ہیں اور اپنی وفاداریاں ثابت کرنے کے لیے ایسے ایسے کام کر جاتے ہیں جو کہ شاید ان کو آلہ کار بنانے والے لوگوں کے ذہنوں تک میں نہ ہوں۔

گزشتہ دہائی میں بالعموم اور گزشتہ چند برسوں میں بالخصوص نہ صرف پاکستان میں بلکہ پورے عالم اسلام میں ایسی غیر سرکاری تنظیمیں وجود میں آئیں ہیں جو کہ مندرجہ بالا طریقہ کار پر کاربند ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے حق و باطل کے کسی بھی معرکہ میں سامنے سے شکست نہیں کھائی۔ جب بھی کبھی مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو اس کا سبب ان کی اپنی صفوں میں داخلی طور پر موجود تھا۔ عین یہی صورت حال آج کی اس نظریاتی جنگ میں موجود ہے کہ ہم کو کسی بھی بیرونی تنقید یا ثقافتی یلغار سے خطرات لاحق نہیں ہیں اگر کوئی خطرہ ہے تو صرف ان عناصر سے جو ہمارے درمیان ہم میں سے بنے ہوئے ہیں اور ہماری یہ جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں!!!...

غیر مسلموں کی ان آلہ کار تنظیموں یا لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ:

- معاشرہ میں اسلام کے حوالہ سے وقتاً فوقتاً کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ دیا جائے
- پھر اس کو خوب ہوا دی جائے
- اخبارات میں اچھالا جائے
- اور معاذ اللہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ انکا نکتہ نظر بغیر کسی دلیل کے زیادہ قوی ہے۔

ایسے لوگوں نے اسلام کے نظام معاشرت کو بالخصوص نشانہ بنایا ہوا ہے کیونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جس قوم کا بھی نظام معاشرت ایک دفعہ بگاڑ کا شکار ہو گیا وہ معاشرہ اور قوم تباہ ہو گئی۔

کسی بھی مستحکم معاشرتی نظام کو اگر کاری زک پہنچانی ہو تو ضروری ہے کہ اس کا اس روایت یا تاریخ سے رشتہ کاٹ دیا جائے اور یہ لوگ اسی مذموم و مسموم کوشش میں سرگرداں ہیں۔ لہٰذا اپنے لیے اور خیالات کے لیے طرح طرح کی اصطلاحآت وضع کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً ترقی پسند (progressive) ماڈرن، ایڈوانس وغیرہ یہ سب کچھ دیدہ دانستہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ معاشرہ میں لاشعوری طور پر اس کی آفاقی ودائمی روایات سے دوری

پیدا کی جاسکے۔ پس چہ باید کرد؟!!

اس موجودہ گھمبیر صورت حال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہر ذی شعور مسلمان پر لازم ہے کہ ایسے عناصر کا نہ صرف مقابلہ کرے بلکہ ان کا حکمت عملی کے ساتھ تدارک بھی کرے۔

لوگوں کو یہ باور کرایا جانا ضروری ہے کہ اپنی روایات و تاریخ سے رشتہ توڑے بغیر بھی ترقی عین ممکن ہے اور جس ترقی کی یہ لوگ بات کرتے ہیں وہ محض ایک دھوکہ ہے۔ جن قوموں نے ایسی ترقی کو اپنا شعار بنایا اور اپنے ماضی سے رشتہ توڑا وہ آج معاشرتی لحاظ سے جانوروں سے ابتر ہیں۔ ان کا سارا معاشرتی تانا بانا ٹوٹ چکا ہے اور خاندانی زندگی کا تو شیرازہ بکھر چکا ہے۔ اور یہ جاننے کے لیے زیادہ تردد کی بھی ضرورت نہیں۔ قریبا سارے مغربی ممالک اسی المیہ کا شکار ہیں۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے دین کے وہ پہلو جن پر تنقید اس حوالہ سے ہو رہی ہے کہ وہ ہماری معاشرتی اساس کی بنیادی اکائی ہیں اور اگر ہم ان سے ذرہ برابر بھی روگردانی کرتے ہیں تو ہمارا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ ان پہلوؤں کی حکمتیں، عملیت اور افادیت کو اجاگر کیا جائے اور یہ باور کرایا جائے کہ ان پہلوؤں کی بقاء میں ہماری بقاء ہے۔ نیز یہ کہ یہ تنقید محض لفاظی اور خام خیالی کا مرقع ہے اور یہ تنقید فقط تنقید برائے تنقید ہے۔ لیکن اس تنقید کا ازالہ بھی ہم پر لازم ہے کیونکہ اگر فی الفور اس کا ازالہ نہ کیا گیا تو آنے والی نسلوں کے لیے یہ تنقید مزید ذہنی الجھاؤ کا باعث بن سکتی ہے۔

اسی بات کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کوئی شخص یہ تنقید نیک نیتی سے کر رہا ہے تب بھی جواب میں موجودہ دور کے تقاضوں کو مدّ ِنظر رکھتے ہوئے اس کو مطمئن کرنا ہمارا فرض ہے۔ الغرض ہر دو صورتوں میں ان مسائل اور پہلوؤں کی تشریح

وتوضیح ضروری ولازم ہے۔ یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کاوش ہے۔

- اسلام اپنی فطرت میں اجتماعیت کی بات کرتا ہے، انفرادیت کی بات نہیں کرتا۔
- اسلام بوڑھے والدین کے حقوق ادا کرنے کی بات کرتا ہے۔ ان کو old houses میں ڈالنے کی بات نہیں کرتا۔
- اسلام بوڑھے والدین کی خدمت اور ان کی تحفظ کی بات کرتا ہے نہ یہ کہ ان کو قتل کرڈالنے بلکہ قاتل کو وراثت سے محروم کرتا ہے اور ان کی جائیداد کے وارث بن بیٹھنے کا سبق دیتا ہے۔
- اسلام عورت کو تحفظ دیتا ہے اور اس کو ماں، بہن اور بیوی کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہے۔
- یہ نہیں چاہتا کہ عورت کو ایک بازاری قابلِ خرید جنس بنادیا جائے اور اس کی عصمت ساری زندگی تار تار ہوتی رہے۔
- اسلام عورت کے سر پر چادر دیتا ہے!!۔۔ اس کے بدن سے کپڑے نہیں اتارتا۔
- اسلام انسانی رشتوں کی توقیر بڑھاتا ہے اور معاشرہ میں خاندان کی اکائی کو ہر طور پر تقویت دیتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ہر فرد کو انفرادیت کے مرض میں اس حد تک مبتلا ہونے دے کہ وہ اپنی ذاتی خواہشات کی تسکین و تکمیل کی خاطر اسفل السافلین کا نمونہ بن جائے اور اپنی اجتماعی اور معاشرتی ذمہ داریوں سے روگردانی کرے۔
- اسلام انسان کو اخروی وابدی زندگی میں فلاح وفوز کے طریقہ بتاتا ہے نہ کہ مٹی

میں مل کر مٹی یا دوبارہ کسی کتے بلے کی شکل میں پیدا ہونے کا درس دیتا ہے۔

- اسلام انسان کو ابدی کی تیاری کی تعلیم دیتا ہے نہ کہ انسان کو اس دنیا کی بلا مقصد فانی مخلوق سے عبارت کرتا ہے۔
- اسلام دنیا کے مذاہب و نظریات میں سب سے زیادہ ترقی پسند مذہب ہے بلکہ انسانی زندگی کی تمام تر موجودہ ترقی کا اصل موجب ہی اسلام ہے لیکن اس کی ترقی عریانی، فحاشی، انفرادیت، انسانی رشتوں سے دوری اور اخروی زندگی کے بطلان سے ہر گز ہر گز عبارت نہیں ہے۔

موجودہ تصنیف بھی اسی مسئلہ کی بنیاد کو مدِ نظر رکھ کر لکھی جا رہی ہے جس میں سر فہرست یہ بات ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق کوئی نئی رائے نہیں دی جا رہی بلکہ ائمہ کرام اور مشاہیر اسلام نے جس جامعیت سے اس مسئلہ کو سمجھا اور بیان کیا اس کو ہی عصر حاضر میں چند کج علموں، لاعلموں اور کم علموں کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کے ازالہ کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ قارئین سے گذارش ہے کہ اس کتاب کو پڑھتے وقت اس بات کو مدِ نظر رکھیں کہ یہ مسئلہ کہ ایک نکاح کے ہونے یا نہ ہونے میں لڑکی کے ولی کے کیا اختیارات ہیں۔ خالصاً ایک مسلم معاشرہ کا مسئلہ ہے اور اس کو مسلم معاشرہ کی اقدار اور اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ہی حل کرنا اور سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت ہے۔

یہ ممکن نہیں کہ مسلم معاشرہ کے کسی مسئلہ کو غیر مسلم معاشرہ کی اقدار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حل کیا جائے یا سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اصل خرابی کی جڑ یہی ہے کہ وہ لوگ جو کہ اغیار کے اشاروں پر اس مسئلہ کو اچھالتے ہیں وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ اب ان کو حل بھی انہی کی خواہشات، پسند ناپسند کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کیا جائے جو کہ ظاہر ہے غیر منطقی

بات ہے۔

اسلام معاشرہ میں خاندان، خاندانی اقدار اور خاندانی شرافت کو اس مسئلہ کی بنیاد سمجھتا ہے اور اسی لحاظ سے اس کا حل پیش کرتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص نہ تو اسلام کو مانے، نہ ہی معاشرے میں خاندان کی ضرورت واہمیت کو تسلیم کرے اور نہ ہی خاندانی اقدار وشرافت اس کے نزدیک کوئی معنی رکھتی ہوں تو اس کے لیے اس مسئلہ کا حل چاہنا یا نہ چاہنا بے معنی ہے...

خاکسار

سید محمد انور

پہلا حصہ

معاہدہ نکاح اسلام کی نظر میں

پہلا حصہ:

معاہدہ نکاح اسلام کی نظر میں

اس کتاب کے پہلے حصے میں ہم یہ دیکھیں گے کہ معاہدہ نکاح کی اسلام میں کیا حیثیت ہے؟۔۔۔آیا یہ ایک قانونی معاہدہ ہے جیسے عام لین دین کا معاہدہ ہوتا ہے اور اس کو کوئی قانونی تحفظ دے رہا ہوتا ہے؟۔۔۔یعنی معاہدہ کی شرائط اور قانون معاہدہ کی شقوں کے مد نظر فریقین کے حقوق وفرائض کا تعین ہوتا ہے اور انہی کی روشنی میں یہ فسخ باطل یا قابل پیش رفت تصور کیا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں مغربی تہذیب نے اس کو قانونی معاہدہ ہی کا نام دے رکھا ہے۔ ان کے نزدیک نکاح یا شادی ایک civil contract ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ یہ محض دو افراد کا باہمی معاہدہ ہے اور دو متعاقدین یعنی عقد کرنے والے اس امر میں آزاد ہیں کہ وہ جیسے چاہیں اس معاہدہ کی تشکیل دیں۔

کچھ مغربی مفکرین جو کہ اس معاہدہ کی اہمیت سے واقف معلوم ہوتے ہیں یا معاشرہ میں اس رشتہ کو قائم رکھنے کے قائل ہیں انہوں نے اس معاہدہ کو "عمرانی معاہدہ" (social contract) کی ایک قسم قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ ان مفکرین نے اس رشتہ کو عمرانی معاہدہ اس وجہ سے کہا کہ یہ بندھن ہر ایک معاشرہ میں بنیادی بندھن ہے اور کیونکہ ان مغربی مفکرین کے پاس مضبوط مذہبی اساس موجود نہیں لہٰذا انہوں نے عمرانیات کے کمزور بیساکھی کا سہارا لیا اور اس معاہدہ کو ایک عمرانی معاہدہ قرار دیا۔

لیکن جب ہم اس معاہدہ یا رشتہ کی ہمہ گیریت دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نکاح نہ تو محض قانونی معاہدہ ہے اور نہ ہی عمرانی معاہدہ کی کوئی ذیلی قسم ہے۔ کیونکہ ہر دو صورتوں میں ہمیں واضح کمی اور محدودیت نظر آتی ہے۔ مثلاً اگر نکاح کو محض قانونی معاہدہ (Civil contract) سمجھ لیا جائے تو انسانی زندگی کے اس اہم ترین بلکہ کلیکی رشتہ کی حیثیت

ایک کاروباری معاملہ سے زیادہ نہیں رہ جاتی کہ ہر دو فریق معاہدہ کرتے وقت اپنے اپنے ذاتی مفاد و منفعت کو مدّ نظر رکھتا ہے بلکہ اس کا وجہد میں آنا ہی ایک دنیاوی لیکن دین کا معاملہ بن کر رہ جائے گا اور جونہی وہ فائدہ کسی ایک فریق کو کم یا ختم ہوتا نظر آئے گا تو اسی وقت یہ معاہدہ بھی ختم ہو جائے گا۔ جبکہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ رشتہ ازواج کو کسی مالی لین دین کے معاہدہ سے تشبیہ دینا بھی مناسب نہیں لگتا کیونکہ یہ رشتہ انفرادی سود وزیاں سے بلند تر اور مبرا ہے۔

رہی یہ بات کہ یہ معاہدہ عمرانی ہے یا نہیں تو اس تعریف کا معاملہ بھی گزشتہ تعریف سے مختلف نہیں۔ جہاں تک عمرانیات کا تعلق ہے تو یہ ایک ہمہ وقت متغیر عمل ہے ہر معاشرہ، ہر زمانہ اور ہر معاشرہ میں ہر طبقہ عمرانی معاملات کی اپنی اپنی تعریف کرتا ہے۔ نیز ہر معاشرہ کے وہ معاملات جن پر کسی طور بظاہر اتفاق پایا جاتا ہے وہ بھی زمانہ کے ساتھ یک لخت بدل جاتے ہیں۔ اگر رشتہ ازواج کو مغرب کے عمرانی پہلو سے آج دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ پورا مغرب اور سارے مغربی مفکرین اس قدر ذہنی پریشانی اور فکری الجھاؤ کا شکار ہیں کہ وہ اس رشتہ کی صحیح تعریف کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ آج مغرب میں طرح طرح کے ناگفتہ اور قبیح و فحش تعلقات کو زواج یا شادی کا نام دیا جارہا ہے۔ اس انتہائی پاکیزہ رشتہ اور ہم جنس اور جنسی خواہش میں کوئی امتیاز نہیں برتا جارہا۔ جس کا بیّن نتیجہ یہ ہے کہ مغربی معاشرے ناجائز بچوں سے بھرے نظر آتے ہیں وہ بچے جن کا نہ کوئی باپ ہے نہ کوئی ماں۔ جو نہ صرف اس معاشرہ میں مزید بگاڑ و فساد کا باعث بنتے ہیں بلکہ اس معاشرت کے منہ پر ایک طمانچہ بھی ہیں۔

اس بات کے برعکس اللہ تعالی نے اس پاک رشتہ کی نوعیت کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے جس کو ہم اس کتاب کے پہلے حصہ میں زیر بحث لائیں گے۔ اسلام کی رو

سے نوعیت کے اعتبار سے نہ تو یہ رشتہ محض ایک قانونی معاہدہ (civil contract) ہے اور نہ ہی یہ خالصتاً ہمہ وقت متغیر معاشرتی معاہدوں یا (social contract) بلکہ یہ ایک مذہبی معاہدہ (religious contract) ہے۔ مذہبی معاہدہ سے مراد یہ ہے کہ اس رشتہ کے تمام پہلوؤں پر مذہب محیط ہے کہ اس رشتہ کے وجود میں آنے کا طریقہ ایجاب وقبول، یہ رشتہ جن جن افراد کے درمیان قائم ہو سکتا ہے۔ تفصیلات محرمات وغیر محرمات، اس رشتہ کے قیام کے بعد زوجین میں حقوق وفرائض کا توازن، حقوق زوجین اور اگر کسی طور پر یہ رشتہ قائم نہ رہے تو طلاق وعدّت کے مسائل سب پر دین اسلام محیط ہے۔ اور حاوی ہے۔ متذکرہ بالا کچھ معاملات کو قانونی حوالہ سے سیکھا جاسکتا ہے کچھ کو معاشرتی اہمیت زیادہ دی جاسکتی ہے اور بعض خالصتاً مذہبی ہیں لیکن اسلام کے نقطہ نظر میں اس رشتہ سے متعلق معاملات خواہ قانونی ہوں یا معاشرتی یا مذہبی سب کی راہنمائی قرآن وسنت سے ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس رشتہ کا کوئی پہلو دین اسلام سے خارج نہیں اس لیے ہمارے نزدیک یہ ایک مذہبی معاہدہ ہے کہ اس کا ہر ہر پہلو قرآن وسنت کے تحت ہے کوئی معاشرت یا قانون اس میں ردّ وبدل نہیں کرسکتا۔

عقد نکاح کی شرعی ومذہبی حیثیت

عقد نکاح کو قرآن نے بہت اہمیت دی ہے اس کے ہر پہلو پر بہت سے احکامات صادر فرمادیئے ہیں لیکن اس کی قانونی حیثیت سے متعلق صرف ایک ہی آیت ملتی ہے۔ یا بالفاظ دیگریوں کہا جائے کہ قرآن میں صرف ایک یہی آیت ایسی ہے جو نکاح کے قانونی پہلو یعنی اس رشتہ کی قانونی حیثیت کو بیان کرتی ہے۔ وہ ہے:

﴿وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا﴾[1]

ترجمہ: اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکے ہیں۔

یہ آیت نہایت اہمیت کی حامل ہے اور قرآن کی ہر آیت کی طرح اس آیت کا ہر لفظ اور صیغہ غور کا متقاضی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے اس رشتہ کو میثاقا غلیظا یعنی پختہ عہد سے عبارت کیا ہے۔

یہ لفظ یعنی لفظ میثاق قرآن پاک میں کل 24 مرتبہ آیا ہے اور زیادہ تر اس عہد کے لیے استعمال ہوا ہے جو کہ اللہ اور بنی نوع انسان کے درمیان تخلیق دنیا سے پہلے ہوا تھا یا اللہ اور انبیاء یا کسی خاص قوم کے درمیان ہوا تھا۔ الغرض ہر مقام پر اس کا مطلب عہد کا ہی آیا ہے۔

امام راغب اصفہانی نے **المیثاق** کے[2] معنی پختہ عہد و پیمان کے لیے ہیں۔ جو کہ قسموں کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہو۔ جیسے قرآن میں ہے:

1۔ [النساء: 21]

2۔ مفردات القرآن

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ﴾[3]

ترجمہ: اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا۔

اور

﴿وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا﴾[4]

ترجمہ: اور عہد بھی ان سے پکا لیا۔

انگریزی میں میثاق کو compact, alliance, convenient کے معنی میں ترجمہ کیا جاتا ہے۔ الغرض لفظ "میثاق" میں نہ صرف عہد کا عنصر موجود ہے بلکہ اس کی پختگی بھی اس کے معنی میں شامل ہے۔ یعنی میثاق کو محض عہد سے تعبیر کے معنوں میں نہ لیا جائے بلکہ اس سے مراد ایسا عہد ہے جو اپنے اندر پختگی رکھتا ہو یعنی جو قائم رکھنے اور رہنے کے لیے کیا جائے۔ اور جب اس پر بھی صرف غلیظ یعنی گاڑھا، مضبوط اور پختہ کی ہو تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ایک پختہ عہد ہے جو کہ واضح اور صریح الفاظ میں بیان بھی کر دیا گیا ہے۔ گو عہد کے لیے میثاق کے لفظ کا چناؤ ہی اس کی پختگی اور مضبوطی پر دلالت کرتا تھا لیکن اس کی واضح طور پر صراحت بیان کرکے اس شبہ کو زائل کر دیا گیا اور بات بین ہو گئی۔ یہ تو ہمیں ان دو الفاظوں سے معلوم ہوا کہ عقد نکاح ایک معاہدہ یا عہد ہے جو کہ اپنے مزاج اور ہیئت میں پختگی اور دوام کا لازمی عنصر رکھے ہوئے ہے۔

3۔[آل عمران: 81]

4۔[النساء: 154]

اب ہم اس آیت کے ابتدائی لفظ ﴿واخذن﴾ کی طرف آتے ہیں۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے کہ "ان سب عورتوں نے لیا" یعنی وہ پختہ عہد جس کو نکاح کہتے ہیں اس کو کرنے والی عورتیں ہیں۔ کیونکہ خطاب مردوں سے ہے۔ لہٰذا دوسری طرف عورتوں کا واضح صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔اس تحلیل لفظ سے ایک اور امر ذہن میں آتا ہے کہ جس طرح ہر عقد یا عہد میں فریقین ہوتے ہیں اس پختہ عہد میں دو فریق ہیں۔ایک مرد اور دوسری عورت۔اور لفظ أخذن جس میں ﴿هُنَّ﴾ کی ضمیر ہے جو کہ عورتوں کے لیے استعمال ہونے والا صیغہ ہے اور یہی عربی زبان کی فصاحت اور بلاغت ہے کہ صیغوں کے اعتبار سے اس میں دوسری زبانوں کی نسبت زیادہ وضاحت موجود ہے۔اس صیغہ کے استعمال سے کسی قسم کا ابہام موجود نہیں رہتا کہ اس عہد کو سر انجام دینے والے کون افراد ہیں یعنی یہ عہد عورت اور مرد کے درمیان انجام پذیر ہو رہا ہے۔

اس سے ایک نہایت لطیف نکتہ واضح ہوتا ہے کہ قرآنی فائدہ کی رو سے عہد تزویج لینے کا اختیار عورت کو ہے۔[5] یعنی عورت مرد سے نکاح کرتے وقت ایک پختہ و مضبوط عہد لیتی ہے اور جب وہ مناسب سمجھتی ہے کہ مرد جو عہد کر رہا ہے یہ اس پر ظاہری اعتبار سے قائم رہے گا تب وہ اپنا نفس اس کے حوالے کرتی ہے۔ یعنی نکاح کی تکمیل کے معاملہ میں حتمی اور قطعی اختیار عورت کو ہی ہے۔[6] کیونکہ اس بندھن میں بندھنے کا پختہ وعدہ مرد اسی سے کرتا ہے وہ ہی یہ وعدہ لیتی ہے کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ عورت کے بجائے یہ وعدہ اس کی طرف سے کردے کیونکہ قرآنی نقطہ نظر سے اللہ نے یہ عہد لینے کا حق صرف عورت کو ہی دیا ہے۔

5۔ گو قانوناً تو ایجاب وقبول فریقین کی مرضی کا متقاضی ہے لیکن عورت کی قبولیت کو اتنی اہمیت دینا اسلام میں عورت کے حقوق کے تحفظ پر ایک دلیل ہے۔

6۔اس پر کسی قسم کا جبر نہیں کیا جاسکتا

کیونکہ اگر عورت کو یہ اختیار نہ ہوتا تو تب یہ بات مختلف انداز میں کہی جا سکتی تھی۔ مثلا : کہ تم مردوں نے ان سے پختہ عہد کیا ہوا ہے یا تمہارا ان سے پختہ عہد ہے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن ان سب ممکنہ عبارات کے بر عکس یہ ارشاد الٰہی کہ "وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔" یہ بات ظاہر و واضح کرتی ہے کہ کسی شخص سے نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار اللہ نے اسی کو دیا ہے جو اس کے انجام پذیر ہونے کی صورت میں اپنا آپ کسی دوسرے کے حوالہ کرتی ہے یعنی عورت۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ قرآن کی رو سے نکاح اپنی ہیئت اور طریقہ انعقاد کے اعتبار سے، ایک عہد یا معاہدہ یا میثاق ہے لہٰذا اسلامی شریعت کے حوالہ سے جو شرائط کسی بھی میثاق کے انعقاد کے لیے ضروری ہیں وہی انعقاد نکاح یا میثاق غلیظ کے لیے ضروری ہیں۔ دوسرا اہم اور لطیف نقطہ یہ ہے کہ اس میثاق غلیظ کی تکمیل کے اختیار سے اور اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق مرد سے یہ پختہ عہد لیتی ہے پھر اپنے آپ کو اس کے حوالہ کرتی ہے۔

اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ رشتہ ازواج نوعیت کے اعتبار سے ایک معاہدہ ضرور ہے لیکن اس کے لزوم، حدود و قیود اور دیگر تمام شرائط کا استنباط قرآن وسنت سے ہی کیا جائے گا اور کیا جاتا ہے۔ یوں یہ محض ایک قانونی معاہدہ نہیں رہتا کہ کوئی شخص اپنی مرضی سے اس کے انعقاد کی شرائط اور نقوط کے لزوم میں رد وبدل یا کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یہ معاہدہ تو ضرور ہے لیکن محض قانونی (civil contract) نہیں بلکہ مذہبی معاہدہ (religious contract) ہے۔ جس کی مزید تفصیل آئندہ ابواب میں موجود ہے۔

مقصد زواج قرآن کی نظر میں

کسی بھی معاہدہ کو سمجھنے کے لیے اس معاہدہ کے وجود کا مقصد سمجھ لینا ضروری ہے۔ اگر مقصد سمجھ میں آگیا تو معاہدہ کی پاسداری خود بخود آسان اور سہل ہوتی چلی جاتی ہے۔ قرآن نے عقد نکاح کو "میثاق غلیظ" یعنی مضبوط وعدہ یا پختہ عہد تو کہہ دیا جس کی وضاحت گزر چکی ہے لیکن اس رشتہ کو یہ شکل دینے کا مقصد بھی قرآن ہی ہم کو بتاتا ہے۔ سورۃ روم آیت 21 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾[7]

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے ہمارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

رشتہ ازواج کے قیام اور اس کے مقصد کے متعلق یہ آیت ایک جامع ترین تعریف بیان کرتی ہے جو کہ ہمیں موجودہ دور کے کسی بھی علم کی کتاب میں نہیں ملتی۔ جامعیت سے مراد کہ اس رشتہ کے وجود کے جو اسباب ہیں وہ اس آیت کریمہ میں موجود ہیں۔ اور اس

7۔[الروم:21]

امر کی اہمیت کے پیش نظر اللہ نے اس کو اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی کہا ہے۔ اس آیت میں چار الفاظ زیادہ غور طلب ہیں[8]:

1- خَلَقَ لَكُمْ

2- لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا

3- مَوَدَّةً

4- رَحْمَةً

1- خَلَقَ لَكُمْ

سب سے اولین بات یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں اس نے ہر جنس وذوی روح کے جوڑے جوڑے بنائے ہیں اسی طرح خالق حقیقی نے انسان کا بھی جوڑا بنایا ہے۔ اور لفظ استعمال ہوا ہے "تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں"۔۔۔ یعنی وہ تمہاری ہی جنس میں سے ہیں۔۔۔ تخلیق میں تمہاری ہی طرح ہیں۔۔۔ تمہاری ہی ہم پلہ ہیں۔

دوسری یہ بات کہ رشتہ ازواج کے لیے خالق نے عورتیں تخلیق کی ہیں یعنی یہ رشتہ مرد اور عورت کے درمیان ہی قائم ہو سکتا ہے۔ گو بظاہر یہ عام اور غیر اہم بات نظر آتی ہے لیکن موجودہ مغربی معاشرت دیکھتے ہوئے اس بات کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب انسان نے الہامی ہدایات کو پس پشت ڈال دیا اور اپنی عقل جو کہ اس کی نفسانی خواہشات کی طابع ہے کو کل سمجھ لیا تو اس نے بہت عجیب عجیب تجربات شروع کر دیئے۔ یعنی امریکہ کی بعض ریاستوں اور یورپ کے کئی ممالک میں ہم جنس پرستی کو قانونی تحفظ فراہم کیا جاچکا ہے۔ جس وقت ان اقوام نے یہ قانون بنایا تو بیچاروں نے اپنی دانست میں خوب ترقی پسندی

8۔ احکام القرآن ابو الکلام آزد

سے کام لیا اور اپنے آپ کو انسانی حقوق کا علمبردار سمجھتے ہوئے اس ذہنی پراگندگی کو دانائی اور شخصی آزادی سے تعبیر کیا۔ لیکن ابھی چند ہی سال گذرے کہ مغرب کو اپنی اس دانائی کا صلہ ملنا شروع ہو گیا اور اب وہ ایڈز کے بچاؤ کے طریقہ اور پھیلاؤ کی وجوہات بیان کرتے پھر رہے ہیں۔ اگر وہ ہٹ دھرمی سے اس پر قائم رہے اور مذہب سے رجوع نہ کیا تو چند دھائیوں میں ان کا سارا معاشرہ جو کہ فی الحال انفرادیت کا تو شکار ہو ہی چکا ہے مزید تار تار ہو جائے گا اور اس کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔ یہ قانون قدرت ہے۔

تاریخ انسانی میں یہ شرف بھی اس دین برحق کو ہی حاصل ہے کہ اس نے انسان کے اس فطری تقاضہ کو اس کا صحیح اور اصل مقام دیا ہے۔ جس وقت اسلام کا ظہور ہوا اس وقت بھی اور آج بھی انسان کے اس فطری تقاضہ کے حوالہ سے دنیا میں طرح طرح کی قباحتیں موجود تھیں اور ہیں۔ یا تو کچھ مذاہب نے جنس کو اور اس کی فطری تسکین کو اس قدر شجر ممنوعہ بنا دیا تھا کہ اس کا نام لینا تک گناہ تصور کیا جاتا تھا اور دوسری طرف انسان اس حد تک تجاوز کر چکا تھا کہ انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں رہا تھا۔ بلکہ بعض اوقات تو جانوروں سے بھی ابتر حالت نظر آتی ہے۔ کم و بیش یہی حال آج بھی دنیا میں ایسے مذہبی عقائد و نظریات موجود ہیں جو اس فطری خواہش کی جائز تکمیل کو گناہ کے زمرہ میں لاتے ہیں اور کچھ ایسے علاقے اور معاشرے آج بھی دنیا میں موجود ہیں جہاں ان معاشروں کی زبان میں صحبت کے لیے لفظ ہی موجود نہیں ہیں۔ یہی حال عیسائیت اور پاپائیت کا ہے کہ عیسائیت کے علمبرداروں نے اس فطری خواہش کی جائز تکمیل پر اتنی قدغنیں لگادیں کہ پورا معاشرہ مذہب سے ہی باغی ہو گیا اور اب طرح طرح کی ظلمتوں میں گھرا ہوا ہے۔ St. Augustine جو کہ ایک عیسائی مذہب کی تاریخ میں ایک کلیدی حیثیت رکھتا ہے کے بقول:

"تولید کا عمل فی نفسہ گناہ ہے۔۔۔ اس کے ذریعہ در حقیقت یہ گناہ

آئندہ نسلوں میں منتقل ہوتا رہا ہے۔"(9)

آج بھی نیوگیتی کے مانو قبائل اس فطری فعل کو ایسا گناہ یا قبیح فعل سمجھتے ہیں جو ہر مرد وزن کو اپنی نسل کو بڑھانے کے لیے مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔ مانو قبائل میں یہ فعل ہر صورت میں گناہ ہی ہے یعنی میاں بیوی کے درمیان بھی ان کے زبان وادب میں کوئی رومانی لفظ یا کہانی نہیں ہے۔

یہی حال افریقہ، جنوبی امریکہ اور آسٹریلیا کے بعض قبائل کا ہے کہ ان قبائل نے اس فطری فعل کو برا، مضر اور گناہ سمجھنے کے سبب ایسے رواج بنا رکھے ہیں جو انسانیت سوز ہیں۔ مثلاً: ان معاشروں میں آج بھی یہ رواج موجود ہے کہ وہ نابالغ لڑکی کی جائے مخصوصہ کو یا تو کاٹ دیتے ہیں یا اس کو کچھ اس طریقہ سے سی دیتے ہیں کہ وہ یہ فطری تقاضہ پورا کرنے کے قابل نہیں رہتی۔

اس قسم کی تعلیمات اور مذہبی عقائد کا منطقی نتیجہ یہی ہو سکتا تھا جو کہ آج ہم اپنی آنکھوں سے مغرب میں ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ یعنی جب بھی انسان کی ان ضروریات یا لزوم بشریت جو کہ فطری ہیں پر غیر فطری قسم کی پابندیاں مذہب کے نام پر لگائی جائیں گی تو انسان بالآخر بغاوت کرے گا اور پھر اس راستہ پر اس حد تک آگے چلا جائے گا کہ وہ اپنے آپ کو تباہ کر لے گا۔ جب اہل مغرب نے اپنے پادریوں کا بنایا ہوا مذہب قابل عمل پایا تو انہوں نے اس مذہب کو اپنے اوپر سے اتار پھینکا۔ اور اپنے جذبات و عقل کی پیروی میں دوسری سمت حد سے تجاوز کر گئے۔

اسلام کے دین فطرت ہونے کا صرف اسی بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آج سے پندرہ سو سال قبل جب کسی معاشرے کا کوئی شخص اس بنیادی انسانی جذبہ کو صحیح طور پر

Confessions of St. Augustine ـ9

تسلیم نہیں کرتا تھا اس وقت اسلام نے نہ صرف اس کی اہمیت کو تسلیم کیا بلکہ بتایا یہ یہ ایک فطری جذبہ ہے اور اس کی جائز تکمیل نہ صرف درست ہے بلکہ لازم ہے بلکہ عورت اور مرد کے جوڑے تخلیق ہی اس لیے کیے گئے ہیں یہ کوئی شجر ممنوعہ نہیں ہے۔ بلا شبہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ اس نے انسان کا جوڑا تخلیق کیا ہے۔

اب اسی مسئلہ کا دوسرا پہلو دیکھیں کہ جب انسان کے ازواج کے اصل مقصد ومدّعا کو پس پشت ڈال دیا اور ہر قسم کے جنسی تعلقات کا اطلاق اس لفظ پر محمول کرنے لگے تو ایک نئی قسم کی خرابی پیدا ہو گئی۔ موجودہ مغربی معاشرت میں مرد کے مرد سے اور عورت کے عورت سے جنسی تعلقات کو بھی زواج کا نام دیا جانے لگا ہے جب کہ در حقیقت یہ زواج نہیں کیونکہ اس میں وہ عنصر موجود نہیں جو کہ زواج کے رشتہ میں موجود ہوتے ہیں اور نہ ہی ایسے غیر فطری رشتہ سے تقاضہ فطرت پورا ہو سکتا ہے اگر کسی معاشرے کی اکثریت اس امر پر مصرّ ہو کہ اسے زواج کا نام اور اسی کی قانونی حیثیت دی جائے تو ایسا کر لینے سے زواج کی تعریف نہیں بدلتی۔ نہ ہی ہم زواج کے اصل مقصد سے انحراف کر سکتے ہیں۔ کیونکہ زواج کی تعریف میں پہلی چیز یہ ہے کہ وہ رشتہ عورت اور مرد کے درمیان قائم ہو دو مختلف جنسوں کی تخلیق کا سبب ہی یہ ہے۔ موجودہ مغربی معاشرہ کی سوچ کی مثال بالکل اسی طرح ہے کہ اگر کوئی معاشرہ اس بات پر متفق ہو جائے کہ ناحق قتل انسانی جرم نہیں ہے اور وہ معاشرہ اپنے لیے قانون سازی بھی کر لے تو اس سے قتل کا عدم جرم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ یا یہ کہا جائے کہ بعض لوگوں میں طبعی طور پر قتل کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے تو اگر ایسے شخص کسی کو قتل کر دیتے ہیں تو وہ جرم نہیں ہے کیونکہ انسان آزاد ہے اور اسے اپنی طبیعت پر اختیار نہیں۔ تو اس دلیل سے قتل کو جائز یا عدم جرم ہونے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ یا اس بات کو قتل کی تعریف سے خارج کرنے کی کوشش کی جائے کہ مقتول عاقل و بالغ تھا اور اس نے قاتل کو

اپنی مرضی سے اس کو قتل کرنے کا اختیار دے دیا تھا لہٰذا کوئی جرم سرزد نہیں ہوا تو یہ بھی دلیل اتنی ہی بعد ہو گی جتنی کہ سابقہ دلائل ہیں۔ الغرض کسی جرم کی تعریف کو کم یا زیادہ کرنے سے اس کی نوعیت اور اصل تعریف میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہی صورت زواج اور موجودہ مغربی معاشرہ کی ہے کہ ان بے چاروں نے اپنی بے راہ روی کو اصل مقصد جان کر اس کی تعریف میں تبدیلی کی کوشش کی ہے لیکن پھر بھی زواج کے رشتہ کی اصل تعریف وہی رہے گی جو خالق نے کر دی۔ کالے رنگ کو سفید کا نام دے دینے سے کالا رنگ سفید نہیں سمجھا جاسکتا چاہے اسے کچھ لوگ سفید سمجھنے اور کہنے بھی لگیں۔ اس امر کو جو کہ مغربی معاشرہ نے ہم جنسی کو قانونی شکل دے کر واج کے زمرہ میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے سمجھنے کے لیے اور مثال یہ ہے کہ اگر کسی معاشرہ میں قتل کا تناسب بہت زیادہ ہو جائے اور اس کے ارباب حل و عقد اور قانون ساز ادارے بجائے اس کے تدارک کرنے کے اس کو جائز قرار دے دیں بعینہٖ یہی مغرب نے کیا ہے کہ بجائے جنسی بے راہ روی روکی جائے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور اسے جائز قرار دے دیا۔

2- لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا

جب خالق نے یہ بتادیا کہ رشتہ زواج قائم کرنے کے لیے ہم نے عورت اور مرد کو تخلیق کیا ہے تو اس کے بعد اس رشتہ کے قیام کا پہلا فائدہ بیان کیا گیا کہ "تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو" سکون عربی زبان کا لفظ ہے جس کے اولین معنی ٹھہراؤ کے ہیں۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ سکون کے معنی کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو راحت دے یا جس سے راحت حاصل ہو۔[10] جس طرح فرمان الٰہی ہے:

10۔ مفردات القرآن از راغب اصفہانی

﴿وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا﴾(11)

ترجمہ: اور خدا ہی نے تمہارے لیے گھروں کو سکون کی جگہ بنیا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا﴾(12)

ترجمہ: اور اسی نے رات کو (موجب) آرام ٹھرایا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿لِتَسْكُنُوا فِيهِ﴾(13)

ترجمہ: تاکہ تم اس میں آرام کرو۔

ان ساری آیات سے معلوم ہوا کہ جس طرح دن کے بعد رات کے آجانے سے انسان کی روزمرہ زندگی میں ایک ٹھہراؤاور سکون آجاتا ہے اسی طرح انسانی زندگی میں رشتہ ازواج سے ٹھہراؤاور سکون آجاتا ہے۔ یا جس طرح انسان تلاش معاش میں سارا دن مارا مارا پھرتا ہے اور زمانہ کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے اس کے بعد تھکا ہارا اپنے گھر کو آتا ہے اور اسے ایک ٹھہراؤاور سکون نصیب ہوتا ہے اسی طرح انسانی زندگی کے سفر، اس کی افراتفری انسان کی فعل اور انفعال اور جذب وتجذیب کی کفایت، اس کی نفسانی زندگی کا ہیجان اور اس کے فطری جذبات کا تلاطم ایک اس رشتہ کے قیام سے پر سکون و متمکن ہوجاتا ہے۔ انسان میں ایک ٹھہراؤآتا ہے۔اس کے برعکس اگر مغربی معاشروں کے ان رویوں کا جائزہ لیں جن

11۔[الانعام:96]

12۔[النحل:80]

13۔[القصص:73]

کو وہ بے چارے مجبور ازواج سے تعبیر کرتے ہیں تو معلوم ہو گا کہ سکون اور ٹھہراؤ تو بہت دور کی بات ہے اس طرح کے غیر فطری رویے تو انسانی زندگی میں مزید ہیجان، غیر فطری پن، بے اطمینانی، غیر یقینی اور ذہنی پراگندگی کے اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔

لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ مرد اور عورت کے درمیان رشتہ زواج کا قیام ان کے لیے سکون اور ٹھہراؤ کا باعث ہوتا ہے۔ اس پر اعتراض برائے اعتراض یہ کیا جاسکتا ہے کہ کچھ لوگوں کے لیے زواج کا یہ نتیجہ نہیں نکلتا تو جواب یہ ہے کہ پھر ان کا وہ رشتہ قائم بھی نہیں رہتا۔(14) جن کو شادی سے سکون میسر نہیں ہوتا وہ پھر آخری راہ کے طور پر علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ بلکہ یہ اعتراض بھی اس کلیہ کے حتمی ہونے میں ایک دلیل ہے کہ رشتہ ازواج کے قائم رہنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ زوجین کی زندگیوں میں سکون اور ٹھہراؤ بہر طور موجود ہے۔ لہٰذا شادی کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ زوجین پر سکون اور متمکن ہو جاتے ہیں۔

3- مَوَدَّةً

ارشاد ہے:

﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾(15)

ترجمہ: اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔

یہ اس رشتہ کے قیام کا ایک اور بامقصد پہلو ہے کہ اللہ نے عورت اور مرد کے درمیان مودۃ اور رحمۃ پیدا کر دی ہے۔ یہ دونوں لفظ الگ الگ اہمیت کے حامل ہیں:

مودۃ کا اصل الوُدُّ ہے جس کے معنی کسی چیز سے محبت اور اس کے ہونے کی تمنا کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ ان دونوں معنی میں الگ الگ بھی استعمال ہوتا ہے یعنی کسی چیز سے

14۔ اور اگر ان کے معاملہ کو غور سے دیکھا جائے تو اس میں آئندہ صفحات میں بیان کردہ ان مماثلتوں میں سے جو لباس اور زوج کی صورت میں پائی جاتی ہیں کسی ایک وجہ کی کمی ہو گی جیسے بے جوڑ رشتہ وغیرہ نیز اس سے کفو کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔

15۔ [الروم: 21]

محبت کرنا اور کسی چیز کے ہونے کی تمنا کرنا۔ لیکن جب اس کا استعمال عام ہو تو اس میں یہ دونوں معنی مضمر ہوتے ہیں ویسے بھی کسی چیز کی تمنا کو اس کے محبت کے معنی پر متضمن ہوتا ہے۔ کیونکہ تمنا کسی چیز کی آرزو کرنے کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کا استعمال بالکل عام معنی میں ہوا ہے یعنی عورت اور مرد دونوں کی خواہشات کے حوالہ سے کہ یہ جذبہ فطری ہے۔ یہ جذبہ اللہ نے ہماری تخلیق میں شامل کیا ہے کہ عورت کو مرد کی طرف کشش ہے اور مرد کو عورکی طرف لہٰذا اس جذبہ کے وجود سے انکار بھی غیر فطری ہے۔ اور جس مقام اور جس انداز میں یہ لفظ اس آیت میں استعمال ہو رہا ہے تو اسکا خاص استعمال رشتہ ازدواج میں بندھے ہوئے مرد اور عورت پر ہے کہ پہلے اللہ فرما چکا کہ اس نے عورت اور مرد کو ایک دوسرے کے لیے قائم کیا پھر ان کے رشتہ مناکحت کا ذکر اور اسکے بعد اس رشتہ کے قیام کے نتیجہ میں حاصل ہونے الے سکون کا تذکرہ اور آخر میں اللہ نے یہ صفات بیان فرمائیں کہ اس نے خاوند اور بیوی کے رشتہ کے درمیان مودۃ اور رحمت پیدا کی جو کہ اس رشتہ کے قیام و دوام اور پختگی کا سبب ہیں۔

4- رَحۡمَةً

گو مودۃ ہے اگر محبت کا یہی ذکر مقصود ہوتا تو مودۃ کا لفظ کافی تھا کہ اس میں چاہت اور تمنا حصول دونوں معنی آجاتے ہیں لیکن محبت میں دنیاوی اعتبار سے ایک خود غرض اور یکطرفی کا عنصر بھی موجود ہوتا ہے۔ نہ صرف یہ کہا جاتا ہے کہ محبت خود غرض ہوتی ہے بلکہ انسانی مشاہدہ بھی یہ ہی ہے محبت میں صرف کوئی چیز حاصل کرنے کی تمنا ہوی ہے اور وہ شخص جو محبت کر رہا ہے یا کسی کے حصول کی تمنا کر رہا ہے ہیشہ اپنے نقطہ نظر سے معاملہ کو دیکھتا ہے لہٰذا ایسے رشتے میں عموما زیادہ دیر پا ثابت نہیں ہوے کیونکہ اس میں باہمی ہم آہنگی کا فقدان ہوتا ہے۔ اگر فریقین اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے سے محبت کرتے بھی ہو تب

بھی طرفین میں یہ جذبہ خود غرضی موجود رہتا ہے۔ لیکن اگر محبت یا مودۃ کے ساتھ رحمت کا امتزاج موجود ہو تو ایسے رشتے کا قیام واستحکام نسبتاً یقینی ہو جاتا ہے کیونکہ جیسے ہر دیر پا رشتہ کچھ دو اور کچھ لو کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے اسی طرح کا معاملہ اس رشتہ کا ہو جاتا ہے جس میں مودت اور رحمت دونوں کے جذبہ کارفرما ہوں مزید یہ کہ دیگر دنیاوی رشتے جو کاروباری یا سیاسی نوعیت کے ہوتے ہیں جو کہ کچھ لو اور کچھ دو کے اصولوں پر قائم ہوتے ہیں اس میں فریقین کی دلی مرضی کم اور مجبوری زیادہ غالب ہوتی ہے لیکن مودت اور رحمت کی بنیادوں پر استوار رشتہ میں کوئی جبر واکراہ نہیں، کوئی مجبوری اور زبردستی نہیں بلکہ فریقین کی آزاد مرضی شامل ہوتی ہے اور دونوں مستقل ایک دوسرے کے وجود کو اپنے لیے لازمی سمجھتے ہیں اور دوسرے کی خواہش سے زیادہ اسکی ضروریات کو بغیر اس کے مطالبہ کے پورا کرنا اپنا نہ صرف فرض سمجھے ہیں بلکہ اس میں راحت محسوس کرتے ہیں۔ المختصر یہ کہ رحمۃ اس قلبی جذبہ کو کہتے ہیں جو رحمت کئے جانے والے شخص پر احسان کا متقاضی ہو۔ یعنی دوسرے فریق پر ایک مخصوص قلبی جذبہ کے تحت احسان کرتے رہنا ہی رحمت ہے۔

بلا شبہ یہ رشتہ اور اسکا قیام واستحکام اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ہے گو فطری خواہش جانوروں میں بھی ہوتی ہے لیکن وہ ان لطیف احساسات وجذبات سے محروم ہیں۔ جنسی تعلق انسانوں میں طرح طرح سے ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں لیکن وہ تمام تعلقات غیر فطری ہیں چاہے انہیں جو بھی نام دے دیا جائے وہ زواج کے زمرہ میں نہیں آسکتے کیونکہ خالق نے اس رشتہ کے قیام کے مقاصد، اسباب اور لزوم بیان فرمادیئے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالی نے انسان کی ازدواجی مسائل اور ان کا حل بیان فرما دیا ہے اور یہی اسکی نشانیاں ہیں:

اول: عورت اور مرد میں باہمی کشش فطری جذبہ ہے۔

دوئم: اس فطری جذبہ کی تکمیل کی صرف ایک صورت ہے اور وہ ہے رشتہ ازواج کا قیام۔

سوئم: رشتہ ازواج کے قیام کا پہلا اور لازمی نتیجہ یہ ہے کہ زوجین کی زندگیوں میں ٹھہراؤاور سکون آجاتا ہے۔

چہارم: اس رشتہ کے صدا بہار رہنے اور استحکام کا سبب یہ ہے کہ زوجین کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے مودت کا جذبہ پیدا کر دیا گیا ہے۔

پنجم: دیگر وقتی محبتوں کی طرح اس مودت اور محبت میں اکتاہٹ اور بیزاری اس لیے نہیں ہوتی کہ اسکا توازن جذبہ رحمت یا ایک دوسرے پر احسان کرنے کی خواہش سے قائم رہتا ہے۔

بلا شبہ یہ اللہ کی واضح نشانیاں ہیں۔ زواج کے علاوہ کسی دوسرے رشتہ میں چاہے فریقین میں جنسی تعلق ہے یا نہیں یہ خواص موجود نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی شخص کسی عورت اور مرد کے وقتی تعلقات کا رشتہ ازدواج سے تقابل کرتا ہے تو وہ خود مشاہدہ کرے گا کہ عورت اور مرد کے وقتی تعلقات جو کہ زواج کے زمرہ میں نہ آتے ہوں کبھی بھی ان کو دائمی سکون میسر نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان کے درمیان جذبہ ترحیم کا وجود ہو سکتا ہے۔ محض خود غرضی ہو سکتی ہے اور فریقین کے دلوں میں اپنا اپنا الّو سیدھا کرنا اولین مقصد ہوتا ہے۔ اور ایک دوسرے سے وقتی فائدہ اٹھانا اس کا مقصود ہوتا ہے۔

اس ہمہ گیر آیت مبارکہ سے ایک اور بات ضمناً سامنے آتی ہے وہ یہ کہ اصلی اور بنیادی طور پر معاشرہ کا یہ اہم ترین رشتہ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان قائم ہوتا ہے اور اس کے قیام میں معاشرہ کا اتنا دخل نہیں ہوتا جتنا اس کے قیام سے معاشرہ پر اثر پڑتا ہے۔ لہٰذا اس رشتہ کے قیام میں معاشرہ کی طرف سے کسی قسم کی افراط یا تفریط اس رشتہ کے قیام

کے اولین مقصد کو نقصان پہنچاسکتی ہے جس کی وجہ سے یہ ممکن ہے کہ اس قرآنی کلیہ کے حوالے سے جو اس رشتہ کا مقصود ہے وہ حاصل نہ ہوسکے جس طرح چند مذہبی رہنماؤں نے اس فطری خواہش کی جائز تکمیل کو گناہ قرار دیا اور سارے ایک شجر ممنوعہ قرار دیا جس کے نتیجہ میں ان کے پیروکاروں نے مذہب سے بغاوت کردی یا مادر پدر آزادی کو انسانی حقوق اور شخصی آزادی کا نام دینے والوں نے ہر قسم کے جنسی تعلقات کو ازواج کا نام دے کر اس معاشرہ کا شیرازہ بکھیر دیا اس طرح ہمیں بھی دین میں غور وفکر کرنا چاہیۓ اور اس اہم ترین انسانی رشتہ کی بقاء اور اسکے صحیح قیام کے لیے معتدل رویوں اور متوازن آراء کو فروغ دینا چاہیۓ ایسا نہ ہو کہ ہم بھی کہیں اعتدال کا دامن چھوڑ دیں اور معاشرہ کا توازن بگڑ جائے۔

---۔ یا یہ کہ ہمارے غیر متوازن اور منافقانہ رویوں کی وجہ سے ہم معاشرہ میں اس رشتہ کے عدم قیام واستحکام کی وجہ سے اس سے وہ نتائج حاصل نہ کرسکیں جو کہ قرآن کی رو سے ملتزم ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم بہت ساری معاشرتی باتیں اور بہت سے ایسے فعل عین مذہب سمجھ کر کر رہے ہوں جن کا تعلق ہماری معاشرتی اور سماجی تاریخ سے ہے۔ ظاہر ہے کہ آج سے چند صدیوں قبل انسان قبائلی معاشرہ میں رہتا تھا اور اس وقت کی سماجی صورت حال کچھ اور تھی۔ ہمیں ہمیشہ اصول اور مبادی پر نظر رکھنی چاہیۓ۔ اگر اصول اور سماج میں اختلاف ہے تو سماج کی پرواہ نہیں کرنی چاہیۓ اور اگر اصول وسماج میں اختلاف نہیں تو فبہا۔ لیکن کبھی بھی اپنی تاریخ رویوں اور سماجی تاریخ کو آنکھیں بند کرکے مذہب نہیں سمجھ لینا چاہیۓ کیونکہ اس سے معاشرہ میں جمود پیدا ہوتا ہے اور معاشرتی جمود معاشرہ کے لیے موت کا درجہ رکھتا ہے۔

اسلام ہر چیز میں اعتدال چاہتا ہے۔ یہ دین حنیف نہ تو اپنی ترکیب میں اتنا سخت ہے کہ ناقابل عمل ہوجائے اور نہ ہی انسنا کو اپنے معاشرتی رویوں میں مادر پدر آزادی دینے کا قائل ہے۔ اسلام کے مسلمہ اصول ہمیں ہر دور میں انسانی معاشرت کے لیے راہنمائی دیتے

ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم سماج کی معاشرت اسلام کے اصولوں ں کے طابع ہے اور ایک مسلم معاشرہ میں کوئی سماجی معاشرتی یا عمرانی مسئلہ ایسا نہیں ہوتا جس پر یہ دین حق محیط نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ مسلم معاشرت میں کوئی مسئلہ بھی خالصتا معاشرتی یا عمرانی نہیں ہوتا اس میں مذہبی رنگ لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن معاشروں نے زواج کو محض ایک معاشرتی معاہدہ (social contract) سمجھا ہے وہ اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئے کہ جب ان کی معاشرت میں بگاڑ آیا وہ معاشرت اخلاقی اعتبار سے شکست وریخت کا شکار ہوئی تو یہ رشتہ بھی اسی انحطاط پذیری کا شکار ہوا اور اس قدر ہوا کہ اپنی شناخت ہی کھو بیٹھا اور اس کی بنیادی وجہ دو ہی ہو سکتی ہیں:

اولا: یہ کہ یا تو ان کا مذہب اس قدر محدود ہے کہ ان کی معاشرتی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتا یا۔۔۔

ثانیا: یہ کہ انہوں نے اپنے مذاہب میں اس قدر رد وبدل کر دی ہے کہ وہ قابل عمل ہی نہیں رہا ہے۔

الحمد للہ امت محمدی پر خدا کا یہ احسان ہے کہ وہ ان دونوں قباحتوں یا محرومیوں سے دور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی جب رشتہ زواج کے حوالہ سے بات ہوتی ہے تو یہ رشتہ سماجی یا معاشرتی معاملہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کے اصول ومبادی مذہب میں تلاش کئے جاتے ہیں کیونکہ یہ معاشرتی معاہدہ (social contract) نہیں بلکہ مذہبی معاہدہ (religious contract) ہے۔

ایک خوبصورت قرآنی تشبیہ

قرآن پاک کی ایک ایک آیت اپنے اندر معانی و مفاہیم کے سمندر چھپائے ہوئے ہے۔ جوں جوں انسانی عقل امتداد زمانہ کے ہاتھوں تغیر پذیر ہو جارہی ہے توں توں ان آیات کے معانی عیاں ہوتے چلے جارہے ہیں۔ قرآن آخری الہامی کتاب ہونے کے ناطے ہر آنے والے زمانہ اور ہر معاشرری زندگی کے مثال کے لیے دائمی راہنمائی ہے۔ قرآن کی ہر آیت اور ہر آیت کے اندر ہر لفظ اپنے اندر مطالب کا سمندر سموئے ہوئے ہے۔ اور انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس سے متعلق اصول و مبادی اس میں موجود نہ ہوں۔

انسان کی معاشرتی زندگی کا سب سے اہم رشتہ "رشتہ ازدواج" ہے یہ وہ رشتہ ہے جس کے اوپر ہر معاشرے کی تعمیر ہوتی ہے۔ ازل سے ابد تک اس رشتہ کی کلیدی حیثیت مسلمہ رہی ہے۔ یہ بات بھی درست ہے کہ انسان نے اپنی تغیر پسند طبیعت کے باعث اسی رشتہ کے حوالہ سے مختلف تجربات بھی کئے لیکن موجودہ اور سابقہ انسانی تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ جس تہذیب نے بھی اس رشتہ کو توڑنے یا اس کا متبادل تلاش کرنے یا اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی وہ تہذیب یا معاشرہ نہ صرف تباہ ہو گیا بلکہ اس کا نام لیوا بھی کوئی نہ رہا۔

انسان کے پاس ہر دور میں ہدایت الٰہی موجود رہی لیکن اس کے باوجود انسان اس سیدھے راستہ سے انحراف کرتا رہا ہے اور اس کے دو بنیادی سبب رہے ہیں:

اولا: یہ کہ انسان نے اپنی نفسانی و حیوانی خواہشات کے پیش نظر مذہب کو اپنے لیے ایک پابندی سمجھا اور اس سے بغاوت کی۔

ثانیا: یہ کہ مذہب کی اصل تعلیم اور روح کو سمجھے بغیر تقلید محض اور رسوماتی عقیدت کے رو میں بہہ کر مذہب کا دائرہ کار اس قدر مشکل، محدود و ضیق کر دیا کہ مذہب پر عمل کرنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا۔ شاید یہ ان ہی دو عوامل کو مدّ نظر رکھتے ہوئے

حضور ﷺ سرورِ کونین کا ارشاد گرامی ہے کہ: ﴿اختلاف امتی رحمة﴾ میری امت کے علماء کا اختلاف رحمت ہے۔ یعنی علماء کے اختلاف کی وجہ سے دین حنیف میں ایک غیر محسوس طریقہ سے توازن برقرار رہتا ہے۔ اور علماء کا کوئی ایک گروہ بھی حدود سے تجاوز نہیں کرتا۔

قرآن پاک نے انسانی معاشرہ کے اس کلیدی اور سب سے اہم رشتہ کو اپنے الفاظ میں جس طرح بیان کیا ہے اس کی نظیر انسانی تاریخ ادب میں نہیں ملتی۔ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾[16]

ترجمہ: وہ عورتیں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان عورتوں کے لیے لباس ہو۔

رشتہ ازدواج کو اور زوجین کو ایک دوسرے کے لباس ہونے سے تعبیر کرنا دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مرادف ہے۔ یعنی اس رشتہ کے ہر پہلو عمرانی، معاشی، معاشرتی، سماجی، نفسیاتی غرض جس پہلو سے بھی اس مثال کو اس رشتہ پر منطبق کیا جائے یہ مثال اس پہلو پر محیط نظر آتی ہے۔ اور یہ اعجاز قرآنی کی دیگر دلیلوں میں سے ایک دلیل بھی ہے۔

لباس کسی بھی انسان کی وہ چیز ہے جو اس کی اپنی ذات کے بعد سے سب سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ بلکہ ظاہری اعتبار سے تو انسان ذات کا اظہار اس کے لباس سے ہوتا ہے۔ لباس انسان کی ستر پوشی کرتا ہے۔ لباس انسان کو موسمی اثرات سے بچاتا ہے اور یوں اس کو بقاء اور تحفظ مہیا کرتا ہے۔ اور جس طرح ایک لباس انسانی جسم کو سکون و آرام بہم پہنچاتا ہے اسی طرح دوسری طرف انسان بہر طور اپنے لباس کا خیال رکھتا ہے حتی کہ ہر انسان اپنے

16۔[البقرة:187]

لباس کو چھوٹے موٹے داغ دھبے لگنے سے بھی بچاتا ہے۔ لباس ہی انسان کی شخصیت کا غماز ہے۔

ہر انسان عموما لباس اپنی معاشی اور معاشرتی حیثیت کے مطابق ہی زیب تن کرتا ہے گویا لباس اور انسان کی معاشی اور معاشرتی حیثیت میں لاشعوری طور پر ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ قطع نظر کسی بھی انسان کی معاشی حیثیت کے اس کا لباس ہی اس کا تعارف ہوتا ہے۔

المختصر لباس انسانی زندگی بلکہ کسی ایک فرد کی زندگی میں وہ واحد چیز ہے جو گویا حیاتیاتی اعتبار سے تو اس کے جسم کا حصہ نہیں ہوتی بلکہ اس کے باوجود کسی بھی فرد کو اس سے الگ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ انسانی جسم پر لباس نہ صرف انسانی اجتماعی معاشرتی زندگی کی علامت ہے بلکہ یہی انسان اور حیوان کا فرق ہے۔

اس ضمن میں ہم تو یہ بھی کہنے کی جسارت کریں گے کہ صدیوں سے منطقیوں نے جو انسان اور حیوان میں تمیز کرنے کے لیے انسان کی منطقی تعریف کی ہے کہ انسان حیوان ناطق ہے یا حیوان ضاحک ہے وہ جامع اور مکمل نہیں ہے کیونکہ تمام حیوان ناطق یا بول سکتے ہیں اور کچھ حیوان ضاحک یعنی ہنس بھی سکتے ہیں۔ ہمارے خیال میں انسان کو اگر "حیوان لابس" سے تعبیر کیا جاے تو یہ عمرانی اور معاشرتی اعتبار سے انسنا کی زیادہ جامع اور درست تعریف ہوگی۔ کیونکہ لباس کا شعور کائنات کی کسی اور مخلوق میں موجود نہیں ہے اور اگر اس بات کو یوں کہا جائے کہ لباس انسنا کے شعور کی علامت ہے تو زیادہ درست ہوگا۔

قرآن میں لباس جو کہ شعور انسانی کی علامت ہے

اجتماعی طور پر اور انفرای طور ہے، کو اگر معاشرتی عمارت کی کیلدی اینٹ یعنی رشتہ ازدواج سے تعبیر کیا ہے تو اس رشتہ کی اہمیت اس کی ہمہ گیر اور اس کی وسعت کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ حتمی اور قطعی بات ہے کہ اس رشتہ کی تعبیر اس مثال سے بہتر کسی طور ممکن

نہیں۔ بلکہ زمانہ اس امر پر شاہد ہے کہ جن معاشروں نے اپنے لباس کو اتار پھینکا ہے انہوں نے اس میثاق غلیظ کو بھی توڑ ڈالا ہے۔ یا یوں کہیں کہ جن معاشروں میں رشتہ ازدواج کمزور پڑتا جا رہا ہے وہ معاشرے ننگے اور عریاں ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ کیونکہ جو انسان لباس کی توقیر اس کی اہمیت سے واقف نہیں رہتا تو اس کے لیے کسی رشتہ ازدواج میں قائم رہنے کے اسباب و مضمرات بھی سمجھنا ممکن ہو جاتے ہیں۔ گویا کسی بھی معاشرے میں عمومی معاہدے سے یہ صحیح طور اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس معاشرہ میں رشتہ ازدواج کیا مقام رکھتا ہے اور یہ ہمارے مشاہدے کے مطابق حتمی کلیہ ہے کہ جس معاشرے میں لباس کی توقیر کم ہو گی اس معاشرے میں تزویج کا بندھن بھی کمزور ناتواں ہو گا۔

جن معاشروں میں روایتی وضع قطع کا لباس پہنا جاتا ہے شہری اور دیہی علاقوں کے لوگوں کے لباس میں زیادہ فرق نہیں ان معاشروں میں ازدواجی رشتہ بھی اس وضع داری اور سماجی روایات کے بندھن میں ہم آہنگ ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور ایسے معاشرے جہاں شہری اور دیہی علاقے کے لوگوں کے لباس میں فرق ہے وہاں اس رشتہ اور اس کے مسائل کے اعتبار سے بھی ان لوگوں میں فرق واضح ہے۔ اور وہ معاشرے جنہوں نے لباس کی اہمیت کو ختم ہی کر دیا ہے ان معاشروں میں اس پاکیزہ بندھن کی اہمیت بھی ختم ہو گئی ہے۔ جس طرح جدید مغربی معاشرے میں عریانی بے معنی لفظ ہے اس طرح اس رشتہ کا دوام بھی بے معنی ہے۔ جس معاشرے کے لوگ مجبوراً کوئی اور لباس پہنتے ہیں لیکن دل کے اندر سے خواہش کوئی اور لباس پہننے کی رکھتے ہیں اس معاشرے میں یہ مقدس رشتہ عجیب و غریب تذبذبات اور منافقانہ رویوں سے عبارت نظر آتا ہے۔ الغرض لباس اور رشتہ ازدواج کی مثال فرد سے لیکر پورے معاشرے بلکہ اجتماعی طور پر ساری انسانیت پر صد فی صد منطبق ہوتی ہے۔

جس طرح گندی جگہ جانے سے لباس کی پاکیزگی برقرار رکھنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح اگر زوجین احتیاط نہ برتیں اور ہر قسم کا اختلاط روا رکھیں تو ان کے دلوں میں شکوک کے داغ پڑنے کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔ جس طرح لباس گو انسانی ذات کا حصہ حیاتیاتی اعتبار سے تو نہیں ہوتا لیکن اس کو اس سے الگ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جو لوگ ذہنی پراگندگی کی بنا پر عریانیت کا پرچار کرتے ہیں وہ بھی بالآخر اس کے محتاج نظر آتے ہیں۔ اسی طرح یہ رشتہ بھی ہوتا ہے کہ بظاہر دو مختلف افراد ہوتے ہیں جن کی الگ الگ شخصیات ہوتی ہیں لیکن ایک دوسرے کے لیے جزو لاینفک کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور تجرد کا پرچار کرنے والے افراد بھی بالآخر اس کی اہمیت اور ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ جس طرح بلاوجہ مجرد رہنے والے شخص کو معاشرہ قبول نہیں کرتا اور اس کو مجنون ہونے سے عبارت کرتا ہے اس ہی طرح سڑکوں پر بے لباس شخص بھی پاگل سمجھا جاتا ہے۔

یہ ہی کلام الٰہی کی آفاقیت ۔۔۔ کہ خالق حقیقی نے ہم کو مثال دے کر ایک جامع کلیہ بتا دیا ہے کہ جس طرح لباس پہننا باشعور انسان کے لیے لازمی ہے اس طرح اس رشتہ کا قیا بھی اس پر لازم ہے۔ جس طرح لباس وہ اپنی حیثیت کے مطابق پہنتا ہی اسہی طرح انسان کو یہ رشتہ قائم کرنے کے لیے اپنی حیثیت کے مطابق دائرہ میں سعی کرنی چاہیئے۔ جس طرح لباس کسی فرد کی بقاء کا سبب بنتا ہے اسی طرح آفاقی اعتبار سے کسی فرد کی بقاء کے لیے اس رشتہ کا قیام ضروری ہے۔ جس طرح لباس انسان کو حوادث زمانہ گرمی اور سردی اور دیگر موسمی اثرات سے بچا کر اسے زندہ رہنے کا سبب مہیا کرتا ہے اسہی طرح یہ رشتہ بھی انسان کی بقاء بصورت اولاد قائم رکھنے کا باعث بنتا ہے۔

جس طرح لباس انسان کی ستر پوشی کرتا ہے اسی طرح زوجین ایک دوسرے کی ستر پوشی کرتے ہیں۔ جس طرح ہر شخص اپنے دامن کو چھوٹے سے چھوٹا داغ لگنے سے بچاتا ہے اسی طرح میاں اور بیوی ایک دوسرے کی عفت و عصمت کی پاسداری و حفاظت کرتے ہیں۔

جس طرح کوئی شخص اپنی معاشی حیثیت کے مخالف کوئی لباس پہننا شروع کردے تو اس کو زیادہ دیر برقرار رکھ سکتا اسی طرح اگر زوجین میں بہت زیادہ معاشی تفاوت ہو تو وہ زیادہ دیر ساتھ نہیں چل سکتے۔ جس طرح انسان اپنے ماپ سے بہت چھوٹا یا بہت بڑا لباس پہن لے تو وہ تنگ رہتا ہے اسی طرح زوجین میں عمر کا زیادہ فرق ذہنی تنگی کا باعث بنتا ہے۔ جس طرح کوئی فرد کسی مخصوص معاشرے میں رہتا ہو اور وہ دوسرے معاشرے کا لباس پہننا شروع کردے تو ایسے لوگوں کی طرح طرح کی نظریں اور باتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی دوسری معاشرت سے شادی کرتا ہے تو اسے ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس قرآنی آفاقی کلیہ سے ایک اور بات جو کہ زواج سے متعلق سامنے آتی ہے وہ یہ کہ لباس کے مصداق اس رشتہ کے بھی کچھ مبادی ولزوم ہیں اور دیگر یہ کہ ظاہری صورت میں فرق ممکن ہے۔ یعنی ہر علاقہ معاشرت کا لباس اور ہر زمانہ کا لباس مختلف تو ہوتا ہی ہے لیکن اس کا بنیادی مقصد ایک ہی رہتا ہے۔ یعنی لباس کا اولین مقصد ہی رہتا ہے۔ یعنی لباس کا اولین مقصد انسان کی ستر پوشی اور اس کے جسم کی حفاظت وسکون کا بہم پہنچانا ہے۔ رہی اس کی ظاہر شکل تو وہ تو ہر شخص کا لباس دوسرے شخص کے لباس سے مختلف ہونا فطری سی بات ہے۔ اس طرح رشتہ ازدواج کو اگر دیکھا جائے تو اس رشتہ کے بھی کچھ مبادی ولزوم ہیں جن کا وجود اس رشتہ کا موجب ہے وگرنہ تو ہر شخص کا عقد زواج اپنے مخصوص حالات وواقعات کے پیش نظر دوسرے شخص کے عقد زواج سے مختلف ہی ہوتا ہے۔ اور یہی حال اختلاف

معاشرت واختلاف زمانہ کے سبب بھی قائم رہتا ہے کہ ہر علاقہ کے مختلف رسم ورواج کے تحت زوجین کے عقد نکاح میں آنے کا طریقہ کار تو مختلف ہوسکتا ہے لیکن ان کا مقصد ایکہی ہے یعنی حفظ النسب، اور انسان کی ایک بنیادی ضرورت کی جائز و قانونی طریقہ سے حاجت روی اور اس رشتہ کے سبب پیدا ہونے والی ذمہ داریوں سے اپنی اپنی معاشرت کے تحت عہدہ برآ ہونے کا ذریعہ۔

الغرض اس کلیہ کو مثال بنا کر ہم مسئلہ ازدواج کی تمام اصول کلی طور پر بآسانی وضع کر سکتے ہیں جس طرح ہمارے مشاہدہ میں یہ باتی آتی ہے کہ بر صغیر کے سادہ لوح مسلمان عقیدت کے مارے موجودہ عربی لباس کو خالص اسلامی لباس سمجھتے ہیں اور عموما عید میلاد النبی ﷺ کے دن اس لباس کو پہن کر اس عقیدت کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی عام ہے کہ پتلون و قمیض کو غیر اسلامی لباس سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس لباس کو عموما وہ اقوام پہنتی ہیں جو کہ مسلمان نہیں جب کہ اصل بات یہ نہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ کوئی لباس اسلامی یا غیر اسلامی نہیں ہوتا بلکہ ہر وہ لباس شرعی لباس ہے جو کہ تمام وہ چیزیں پوری کر رہا ہو جو کہ اسلامی شریعت کے تحت ایک لباس میں موجود ہونی چاہئیں جو کہ شریعت کے تحت لزوم لباس ہیں۔ لباس کی ظاہری وضع قطع ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح لباس کی عریانی وفحاشی ساری دنیا میں ایک ہی مطلب رکھتی ہے اسی طرح لباس کی ستر پوشی بھی پوری دنیا میں ایک ہی معنی رکھتی ہے۔ فی زمانہ ہم کو ہمیشہ مبادی پر نظر رکھنی چاہیئے وگرنہ ہم اس آفاقی دین پر جمود طاری کرنے کا سبب بنتے چلے جائیں گے۔

بعینہٖ یہی مسئلہ عقد زواج کا ہے کہ اسلامی شریعت نے اس عقد سے متعلق کچھ بنیادی احکامات بیان فرمائے جن کا وجود عقد کے شرعی ہونے کے لیے لازمی ہے لیکن اب اس عقد کو عملی شکل دینے کی صورت ہر علاقہ اور قوم کے علاقائی رسوم ورواج کی وجہ سے

مختلف ہے۔ اب ہم شادی بیاہ کی ان تمام ظاہری مختلف شکلوں کو رد نہیں کر سکتے اور نہ ہی غیر شرعی قرار دے سکتے ہیں۔ ایک مسلمان گھرانہ کی شادی جو کہ افریقہ کے کسی ملک میں ہے اور ایک جو عربستان کے کسی علاقہ میں ہے اور ایک جو بر صغیر میں کہیں ہے۔ بظاہر سر تا سر مختلف نظر آتی ہے لیکن وہ تمام اگر شرعی احکامات پوری کرتے ہوئے انجام پذیر ہوتی ہیں تو یقیناً شرعی اور اسلامی شادیاں ہیں۔ المختصر ہمارے پاس عقد زواج کو ناپنے کا کہ یہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی ہے ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ آیا اس میں وہ لزوم جو کہ شریعت نے کسی بھی عقد زواج کے قائم ہونے کے لیے قرار دیئے ہیں موجود ہیں یا کہ نہیں اگر موجود ہیں تو اسلامی ہے۔ اگر نہیں تو غیر اسلامی۔ اس کے ظاہر شکل اور انجام دہی کے طریقوں کا اختلاف بے معنی ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ ان تمام مذکورہ بالا بیان کردہ مماثلتوں کے ساتھ جو کہ لباس اور رشتہ ازدواج میں موجود ہیں ان دونوں کے تین پہلو ہیں جن میں مماثلت پائی جاتی ہے:

اولا: لباس کا بنیادی تصور و مقصد جو کہ ساری دنیا میں ایک ہی ہے یعنی ستر پوشی اور یہی اس کا عالمی پہلو ہے۔

ثانیا: لباس کے وہ پہلو جن کا تعلق محض اس فرد سے ہے جو کہ اس کو زیب تن کرتا ہے یعنی لباس کو پہننے والے کے مزاج، اس کی معاشی حیثیت وغیرہ۔

ثالثا: لباس اور اس معاشرے کے رسم ورواج جن میں وہ پہنا جا رہا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح رشتہ ازدواج کو اسلامی شریعت کے حوالہ سے ان تین پہلوؤں سے دیکھا جا سکتا ہے:

اول: رشتہ ازدواج کا بنیادی مقصد جو کہ ساری دنیا میں ایک ہے یعنی بقاء وفروغ نسل انسانی اور اس رشتہ کی وجہ سے وجود میں آنے والے حقوق وفرائض بین الزوجین کی بجا آوری۔

دوم: رشتہ ازواج کے قیام کے لیے زوجین کی انفرادی حیثیت اور اس سے مربوط مسائل۔

سوم: رشتہ ازدواج کے انعقاد کے اور اس کے اعلان کے مختلف سماجی وعلاقائی طریقے۔

یہ آیت اعجاز قرآنی کا ایک نمونہ ہے کہ ایک جملہ میں ایک مثال دے کر خالق نے مخلوق کے اہم ترین بندھن کے ہر ہر پہلو و گوشے کو اجاگر کر دیا ہے۔ یہ قرآن کی وہ واحد آیت ہے جس میں زوجین کے تعلق کو واضح فرمایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ نکاح، طلاق اور ازدواجی مسائل سے متعلق بے شمار آیات واحکامات قرآن میں موجود ہیں۔ لیکن کسی میں بھی اس رشتہ کی صراحت نہیں فرمائی گئی بلکہ اس رشتہ کی اتنی جامع اور ہمہ گیر تعریف کے بعد مزید صراحت کی ضرورت بھی کیا رہتی ہے۔ یہ وہ مثال ہے کہ اگر آنے والے زمانوں تک کسی کو بھی اس رشتہ سے متعلق کچھ سمجھنا ہو تو وہ اس مثال کو سامنے رکھے اور اس پر تمام عقدے کھلتے چلے جائیں گے۔

دین اسلام نے معاشرتی زندگی کے حوالہ سے اجتماعیت کا درس دیا ہے۔ انفرادیت یا رہبانیت کی نہ صرف حوصلہ شکنی کی ہے بلکہ مخالفت بھی کی ہے۔ کیونکہ خالق مخلوق کے شعوری اور بشری تقاضوں اور کمزوریوں سے واقف ہے۔ لہٰذا اس نے انسان کو اجتماعی معاشرتی زندگی گزارنے کا سبق دیا ہے۔ اور موجودہ دور میں بالخصوص مغربی تہذیب کا اگر مشاہدہ کیا جائے تو اس معاشرے کی لباس سے بیزاری اور اس معاشرے کی عریانی یوں سمجھ میں آتی ہے کہ وہ معاشرے کیونکہ انفرادیت کا شکار ہیں لہٰذا اجتماعی معاشرے کی سب سے اہم غیر انسانی چیز لباس سے بھی بیزار ہیں اور اس سے عاری ہونا چاہتے ہیں۔

انسانی زندگی کے عمرانی پہلو کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ محض گروہی شکل میں اجتماعی زندگی گزارنا ہی کافی نہیں کیونکہ بعض جانور بھی اجتماعی زندگی گزارتے ہیں بلکہ معاشرتی ذمہ داریاں بھی پوری کرنا لازم ہے۔

اس خوبصورت قرآنی تشبیہ سے عمرانیات کا ایک عقدہ بھی کھلتا ہے یعنی جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ لباس نہ صرف شعور انسانی کی علامت ہے بلکہ حیوان اور انسان میں فرق وتمیز کرنے کا پیمانہ بھی ہے۔ جس کا مفہوم مخالف یہ نکلا کہ جوں جوں انسان میں شعور نابود ہوتا جائے گا توں توں اس میں سے شعور کی علامات کا بھی فقدان پیدا ہوتا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر پاگل لوگ عریاں اور بے لباس نظر آتے ہیں کیونکہ ان میں شعور کا فقدان ہوتا ہے لہٰذا وہ شعور کی علامات کو بھی ملحوظ نہیں رکھتے وگرنہ تو ہیئت کے اعتبار سے تو پاگل حضرات بھی اسی طرح گوشت وپوست کے انسان ہوتے ہیں جیسے دیگر اور صحیح الذہن لوگ ہوتے ہیں۔ یہ تو ہے انفرادی سطح پر لباس کی اہمیت اور اس کے وجود وعدم وجود کے اسباب اور ان کا فرق۔۔۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ ایسی ہی صورتحال اجتماعی اور معاشرتی سطح پر بھی ہے۔ اور کسی معاشرہ میں اجتماعی اعتبار پر لباس کی اہمیت میں کمی اور رشتہ ازواج کے قیام سے بیزاری۔ یہ دو ایسی علامات ہیں کہ اس معاشرے کو انحطاط یافتہ یا کم از کم عمرانی اعتبار سے انحطاط پذیر ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔

اسلام نے انسانی معاشرے کو حیوانی معاشرہ بننے سے روکنے کے لیے اسی وجہ سے ستر پوشی پر زور دیا ہے اور بلاشرعی جواز تجرد کی زندگی گزارنے کی ممانعت کی ہے۔ کیونکہ اگر کسی معاشرہ میں لباس بحوالہ ستر پوشی اور رشتہ ازواج کے قیام اور بقاء کے اسباب موجود ہوں تو معاشرہ عمرانی اخلاقی اور معاشرتی اعتبار سے روبہ انحطاط نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ

- شادی ایک مذہبی معاہدہ ہے۔
یہ محض قانونی معاہدہ یا عمرانی معاہدہ نہیں۔

- یہ پختہ عہد گو فریقین کے ایجاب وقبول سے قائم ہوتا ہے لیکن قرآن پاک میں عورت کے اس معاہدہ کو قبول کرنے پر زور دینا دو باتوں پر دلالت کرتا ہے:
اولا: وہ عزت مرتبہ جو کہ اسلام عورت کو معاشرتی زندگی میں دیتا ہے اور
ثانیا: یہ کہ اس معاملہ میں عورت پر کسی طور بھی جبر نہیں کیا جاسکتا۔

- اسلام کی نظر میں اولین مقصد زواج زوجین کے بشری تقاضوں کی جائز تسکین اور ثانیا بقاء نسل انسانی اور حفظ النسب ہے۔
- آیت ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾[17] ایک ایسی تشبیہ ہے جو کہ بلاشبہ اعجاز قرآنی میں سے ایک ہے۔

17۔[البقرة:187]

تیسرا حصہ

اسلام کا مزاج اور رشتہ ازدواج

دوسرا حصہ:

اسلام کا مزاج اور رشتہ ازدواج

دین اسلام اپنے مزاج اور ترکیب میں اجتماعیت پسند ہے۔ لہٰذا اس کے اجتماعیت پسندی کی جھلک ہم کو معاملات سے لے کر عبادات تک میں نظر آتی ہے جو کہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ اسلام حد سے زیادہ انفرادیت over individualism کے مخالف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ہر معاملہ کے اجتماعی انسانی پہلو collective human aspects کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔

رشتہ ازواج کیونکہ معاشرتی زندگی میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا دین اسلام نے معاشرہ میں اس رشتہ کے قیام اور بقاء پر خصوصی اہمیت دی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس رشتہ کی اہمیت کے پیش نظر دیگر ادیان مثلا ہندومت اور عیسائیت وغیرہ نے بھی اس کی بقاء پر خصوصی تقجہ دی ہے۔ لیکن اس ضمن میں بھی دیگر ادیان کے اور اسلام کے طریقہ کار میں نمایاں فرق نظر آیا ہے۔

دوسرے مذاہب وادیان کا عمومی طریقہ کار یہ ہے کہ اس رشتہ کے ختم کرنے پر یا تو قدغن لگادی جائے یا اس کو عملی اعتبار سے اس قدر مشکل بنادیا جائے کہ ناممکن ہو جائے یا معاشرہ میں طلاق یافتہ عورت کے متعلق ایسے سخت رسم ورواج قائم کردیئے جائیں کہ کوئی عورت طلاق لینے کا خیال بھی دل میں نہ لاسکے۔ خواہ اس کو اس کی کتنی ہی جائز ضرورت ہو۔ اس بات کی تصدیق عیسائیت کے عائلی قانون سے واضح ہے کہ عیسائیت کے بعض فرقوں میں جیسے orthodox اور catholicks وغیرہ میں طلاق کا عملاً وجود ہی نہیں ہے اور اگر کوئی شخص عورت یا مرد طلاق حاصل کرنا ہی چاہے تو اس کے حصول کا عمل اور طریقہ کار اس قدر

تکلیف دہ، طویل اور دشوار ہے کہ قریباً ناممکن ہی ہے۔ لہٰذا انہوں نے اب جا کر علیحدگی یا separation کی ایک اصطلاح وضع کی ہے جو کہ معاشرتی زندگی میں ایک اور قباحت ہے کہ دو افراد جو کہ آپس میں قانوناً تو میاں بیوی ہیں لیکن الگ الگ رہتے ہیں اور علیحدگی separation کی زندگی گزارتے ہیں۔ اس سے معاشرہ میں خاندانی زندگی میں اور ایسے افراد کی اولاد پر جو منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری صورت ہم کو ہندو سماج یا ہندومت میں نظر آتی ہے کہ انہوں نے طلاق یافتہ عورت کے لیے معاشرہ میں دائرہ حیات اتنا تنگ اور مشکل کر دیا ہے کہ کوئی عورت بھی اپنے آپ کو طلاق یافتہ کہلوانا نہیں چاہتی۔ اور سسرال و خاوند کا ہر ناجائز ظلم برداشت کرتی رہتی ہے۔

اس کے برعکس اسلام کا طریقہ کار بالکل مختلف ہے اور زیادہ قابل عمل اور منطقی ہے۔ جہاں تک طلاق کا معاملہ ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ نے جائز تو قرار دیا لیکن جائز کاموں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل قرار دیا جس کے معنی یہ ہوئے کہ بشری تقاضوں کے پیش نظر اس فعل کو جائز تو قرار دے دیا لیکن کسی بھی اعتبار سے اس کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی گئی۔ نیز اس کو بالکل ممنوع نہ کر کے معاشرہ کو دیگر برائیوں سے محفوظ رکھا۔ یہ تو اسلام کا وہ معتدل رویہ ہے کہ جو ہم کو اس کے ہر معاشرتی حکم میں ملتا ہے لیکن اسلام کی اصل حکمت ہم کو اس رشتہ کے قیام کے حوالہ سے ولی کی موجودگی کی نسبت سے سمجھ میں آتی ہے کہ دین اسلام نے رشتہ ازدواج کے قیام پر خصوصی توجہ دی ہے اور ہم کو اس کے قیام کے کچھ ایسے بنیادی اصول بتائے ہیں کہ اگر ان اصولوں کے پیش نظر ان پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس کی بنیاد رکھی جائے تو یقیناً زیادہ مستحکم ہوگی۔ یہ اسلامی حکمت کا ایک مظہر ہے کہ کسی عمارت کو اگر گرنے سے بچانا مقصود ہو تو اس کو بیرونی ٹیک یا سہارا دینے سے زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ اس کی بنیاد مضبوط ڈالی جائے۔

رشتہ ازدواج کے قیام کے وقت ولی کی موجودگی نہ صرف اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ اس رشتہ کی بنیاد مضبوط خطوط پر رکھی جائے نیز اس موقع پر ولی کا وجود اس بات کی ضمانت بھی ہے کہ ایسا رشتہ جس کے قیام کے وقت ولی موجود ہو وہ زیادہ دیر پا اور مستحکم ثابت ہوگا۔ اور یہی اسلام کا منشاء ہے۔

ولی کے کیا اختیارات ہیں؟!

ان اختیارات کا استعمال کس کس طرح کیا جاسکتا ہے؟!

کون شخص ولی ہوسکتا ہے؟!

ولی کی رائے اور لڑکی کی رائے میں اختلاف میں معاملہ کی صورت کیا ہوگی؟!

لڑکی کی مرضی کے خلاف نکاح کیا جاسکتا ہے؟!۔۔۔وغیرہ وغیرہ

یہ وہ بحثیں ہیں جو کہ اس کتاب کا موضوع ہیں اور جن کی تفصیل اس کتاب میں اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔

نکاح میں ولی اور لڑکی کا اختیار
حقوق و فرائض میں ایک توازن

نکاح جو کہ انسانی زندگی کا بنیادی ترین رشتہ ہے اسلام کی رو سے ایک مذہبی معاہدہ ہے اسلام کیونکہ پوری انسانی زندگی پر محیط ہے اور انسان کے لیے ہدایت ہے لہٰذا اس مذہبی معاہدہ سے وابستہ جتنے انسانی پہلو ہو سکتے ہیں قانونی، معاشرتی، عمرانی، ازدواجی، عائلی وغیرہ اسلام نے ان سب پہلوؤں کا خیال رکھا ہے اور اس رشتہ کے انعقاد کے طریقہ کو کچھ اس طور وضع کیا ہے کہ اس رشتہ کی بنیاد ہی اس انداز میں اور اتنی مضبوط ہو کہ یہ رشتہ واقعی میثاق غلیظ (مضبوط معاہدہ) بن کر معاشرہ میں نمایاں ہو۔ نہ کہ ایک دھاگے کا بندھن ثابت ہو جو تحلیل اور تبدیل ہوتے ہوئے اتنا ناتواں ہو جائے کہ اس کی اصل نوع ہی بدل جائے۔

اس بندھن کو مضبوط اور قائم رکھنے کے لیے انسان نے ہر دور میں کوشش کی ہے۔ مثلاً ہندومت نے اس مد میں اس قدر شدت اور سختی اختیار کر لی کہ انہوں نے ایک عورت کے لیے یہ تصور ہی ختم کر دیا کہ ایک مرتبہ عورت کی شادی ہو جائے کہ بعد اس مرد سے علیحدگی تو در کنار اس مرد کی وفات کے بعد وہ عورت زندہ رہنے کا حق بھی نہیں رکھتی یوں ہندومت کی اس اختراع نے انسانی زندگی کے اس لطیف رشتہ کو تحفظ دینے کے لیے "ستی" جیسی غیر انسانی اور بربریت انگیز رسوم اور رواج کو وضع کیا جس میں شوہر کے انتقال کی صورت میں اس کی بیہودہ کو زندہ آگ میں پھینک دیا جاتا تھا۔ جس کا منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ اس غیر فطری مذہب کے ماننے والے آہستہ آہستہ اپنے مذہب سے دور ہوتے چلے گئے۔ عین یہی معاملہ عیسائی مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ بھی در پیش آیا کہ اس رشتہ کی اہمیت اور منزلت اور اس ضرورت کے پیش نظر کہ معاشرہ کی بقاء اور معاشرتی ترقی اور استحکام کے لیے معاشرہ میں اس رشتہ کا قائم رہنا ضروری ہے۔ عیسائی مذہب کے پادریوں نے عیسائیت میں

زوجین میں طلاق و علیحدگی کے ایسے غیر فطری اور سخت قوانین وضع کردیئے ہیں کہ ایک مرتبہ اس بندھن میں بندھ جانے والوں کے لیے اس سے نکلنا ناممکن ہوگیا۔ عیسائیت کے کچھ فرقوں میں آج بھی طلاق کا وجود موجود نہیں ہے اور جن میں موجود ہے ان میں طلاق کے جواز کے لیے زوجین کا ایک دوسرے پر اس قدر انسانیت سوز الزام لگانا اور پھر ان کا عدالت میں ثابت کرنا لازم ہے جو ناقابل بیان ہے۔ لہٰذا اس رشتہ کو معاشرہ میں قائم ودائم رکھنے کی اس انسانی کوشش کا نتیجہ بھی منطقی نکلا کہ اس مذہب کے پیروکاروں نے عملی طور پر اپنے مذہب سے بغاوت کردی۔ بلکہ یہ تو اس قدر آگے چلے گئے کہ نہ صرف مذب کا لبادہ اتار پھینکا بلکہ اس رشتہ کے جواز اور ضرورت سے بھی اپنے آپ کو بے نیاز کرنے کی کوشش کی۔ قریباً یہی صورت حال دیگر مذاہب کی ہے کہ ان تمام مذاہب نے اس رشتہ کو قائم رکھنے اور پختہ بنانے کے لیے ایسے ایسے قوانین اور اصول وضع کیئے جو کہ غیر فطری تھے جن سب کا نتیجہ یہی نکلا کہ ان کے پیروکاروں نے اپنے اپنے مذاہب سے بغاوت کردی اور معاشرے میں ایک نئی برائی کے موجب بن گئے۔

اسلام کا طریقہ کار:

اسلام جو کہ دین فطرت ہے کہ خالق حقیقی انسانی فطرت کو خوب جانتا ہے لہٰذا اسلام کے کسی بھی مسئلہ میں دیئے ہوئے اصول اس قدر مسلمہ اور پائیدار ہیں کہ جوں جوں وقت گزر رہا ہے اور انسانی ذہن علمی اعتبار سے ارتقاء کی منازل طے کرتا جارہا ہے توں توں ان مسائل و مصالح کی حکمت عیاں وآشکار ہوتی چلی جارہی ہے۔ اور اسلامی احکامات اور انسانی نفسیات و فطرت میں ہم آہنگی بھی واضح ہوتی چلی جارہی ہے۔

اس رشتہ کے حوالہ سے اسلام کا طریقہ کار ملاحظہ ہو کہ دنیا کے تمام عقائد، مذاہب اور تصورات بشمول اسلام کے اس بات پر متفق ہیں کہ یہ رشتہ انسانی معاشرہ کی بنیاد ہے اور

انسانی معاشرہ کی بقاء کا ضامن ہے لہٰذا اس کا تحفظ اشد ضروری ہے۔ اس ضمن میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے علاوہ تمام مذاہب، عقائد و تصورات نے جو کہ انسانی ذہنوں کی اختراع ہیں نے اس رشتہ کی بقاء کا ایک ہی حل تلاش کیا۔ وہ یہ کہ ایک دفعہ اس بندھن کے وجود میں آجانے کے بعد اس کو ختم کرنا عملاً ناممکن بنادیا جائے لہٰذا لوگ مجبوراً اس میں بندھن رہیں گے۔

جس کے نتیجہ میں بے شمار خرابیاں پیدا ہوئیں لیکن جو سب سے عیاں ہے۔ ایک تو یہ کہ ایسے مذاہب کے پیروکاروں نے اپنے مذاہب سے منہ پھیر لیا اور بغاوت کی اور ہوئے یہ نوبت بھی آن پہنچی کہ ایسے لوگوں کا اس رشتہ کے قیام کو غیر ضروری قرار دیا۔

اس رویہ سے ان معاشروں میں جو بگاڑ پیدا ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ نہایت واضح اور عیاں ہے۔ دوسرا بگاڑ جو ان مذاہب و عقائد کے ماننے والے لوگوں میں پیدا ہوا وہ اس سے بھی ابتر ہے وہ یہ کہ ان لوگوں نے شادی کے بندھن میں بندھے بندھے برائیاں شروع کردیں اور حدوں سے گزر گئے جس کی صورت بھی واضح ہے۔

ان سب باتوں کے برعکس دین اسلام نے اس انسانی رشتہ کی بقاء اور تحفظ کے لیے ایسے اصول وضع کیئے جو کہ انسانی فطرت سے متصادم بھی نہیں اور اپنا مقصد بھی پورا کرتے ہیں۔۔۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

اولاً: اسلام دین فطرت ہونے کے ناطے وہ واحد دین ہے جس نے پہلے مرتبہ اس بات کو اہمیت دی کہ اگر اس رشتہ کی بقاء اور تحفظ درکار ہے تو اس کی بنیادیں اس انداز میں رکھی جائیں کہ یہ رشتہ آپ سے آپ مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہوسکے۔ جس کے لیے اسلام نے لڑکی کے اولیاء اور ان کے حقوق و فرائض کا واضح اور۔۔۔ تصور دیا۔ اور اصل بات

بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص مضبوط عمارت تعمیر کرنا چاہتا ہے تو اس کی بنیاد مضبوط رکھنی لازمی شرط ہے۔ لہٰذا اس رشتہ کی مضبوط بنیاد رکھنے کے لیے اسلام نے لڑکی کے ساتھ ساتھ اس کے اولیاء کی رائے اور مرضی اور رشتہ میں حقیقی اور معنوی موجودگی سے اس رشتہ کو ایسا وسیع کردیا ہے کہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ غلط اور کمزور ازدواجی رشتہ کے قیام کا امکان کم ہی ہوتا ہے۔ اور اس رشتہ کے قیام کی بابت اور اس کے تحفظ کے حوالہ سے یہ وہ پہلو ہے جو اسلام کو دیگر ادیان سے ممتاز و ممیّز کرتا ہے۔

اس طرح اسلام نے دین فطرت ہونے کے ناطے اس رشتہ سے وابستہ انسانی جبلب کو بھی پیش نظر رکھا اور تعدد ازواج کی اجازت دی کیونکہ یہ مسئلہ اس کتاب کا موضوع نہیں لہٰذا تعدد ازواج کی حکمتیں وجوہات اور اس سے وابستہ شروط ولزوم اور فقہی آراء کو ہم یہاں زیر بحث نہیں لائیں گے۔ یہاں اس مسئلہ کی صرف ایک حکمت سے بحث ہے وہ یہ کہ اسلام نے اپنے تمام تر اصول اور قوانین دین فطرت ہونے کے ناطے انسانی فطرت کے مطابق وضع کئے ہیں اور یہ مسئلہ بھی اس دین کی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے۔ کیونکہ مشاہدہ، انسانی رویوں، انسانی معاشروں کے رویہ اور تاریخ سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ وہ معاشرہ جو کہ دین حق کے اس مسئلہ کو بہت زیر بحث لاتے ہیں اور اس پر طرح طرح کے لایعنی اعتراضات کرتے ہیں اور اس کی حکمت ماننے کو تیار نہ ہیں ان معاشروں میں جنسی بے راہ روی اور شادی شدہ افراد کے ماوراء ازدواجی تعلقات کا تناسب اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ اس کا تو کوئی حد وحساب ہی نہیں اور یہ بات کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ یہاں ہم ایک بات کا ذکر ضمناً ضرور کرنا چاہیں گے کہ مغربی دنیا بالعموم اور عیسائی دنیا بالخصوص آج بھی اسلام سے اتنا بغض رکھتی ہے کہ اس نے اپنی عقل کے گھوڑے دوڑ کر انسانی حقوق کے نام پر عورت سے عورت کے درمیان جنسی تعلق اور مرد سے مرد کے درمیان جنسی تعلق کو انسانی فطری تقاضہ قرار

دے کر شادی کا نام تو دے دیا ہے لیکن جائز طریقہ سے تعداد ازواج کو قبول کرنے پر ان کا ذہن ودل تیار نہیں ہوتا کیونکہ جنسی بے راہ روی روکنے کا یہ ایک ذریعہ دین اسلام نے بتایا ہے۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ اب وہ لوگ ایک شادی شدہ جوڑے کی ماورا ازدواجی تعلقات کو بھی جائز اور تسلیم کرنے لگے ہیں جس کی مثال حال ہی میں ہمیں امریکہ کے صدر بل کلنٹن کے جنسی سکینڈل کی صورت میں نظر آئی۔ ہمارے خیال میں عقل رکھنے والوں کے لیے یہ ایک نشانی ہے اور یہ واقعہ پوری مغربی تہذیب کے منہ پر ایک طمانچہ تھا کہ اس کے معاشرہ کا وہ شخص جو کہ ان کے خیال میں سب سے زیادہ مثالی اور ذمہ دار ہے وہ ایک جنسی سکینڈل میں ملوث ہوتا ہے اور اس کا وہ سر عام اعتراف بھی کرتا ہے لیکن وہ لوگ اس کو قبول کرنے پر تیار ہیں لیکن ایک شخص کی ایک سے زیادہ شادیوں کے مسئلہ پر ہمہ وقت معترض نظر آتے ہیں۔ اسی ضمن میں اس سے زیادہ شدید مثال یہ ہے کہ عیسائی مذہبی دنیا کا سب سے زیادہ پارسا انسان جو کہ ان کا "پوپ" کہلاتا ہے وہ مہلک جنسی مرض "ایڈز" میں مبتلا ہے۔ ظاہر ہے ان سب مسائل کا حل یہی ہے کہ اگر کسی شخص کو فطرتی خواہش ضرورت سے زیادہ ہے تو اس کے لیے دین اسلام میں ایک شرعی اور قانونی راستہ موجود ہے کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتا ہے اور تعدد ازواج کی صورت میں وہ معاشرہ میں کوئی ظلم وتعدی یا فساد کا موجب نہیں بنتا بلکہ وہ اپنی تمام بیویوں کے حقوق مساوی اور عدل کے تقاضوں پر پورا اترتے ہوئے پورا کرتا ہے۔۔۔ سب کے سروں پر چادر دیتا ہے۔۔۔ سب کو اپنے نام سے منسوب کرتا ہے۔۔۔ سب کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔۔۔ اور اس کے ساتھ مساوی انداز میں اپنا نسب منسوب کرتا ہے۔۔۔ سب کو اپنا نام دیتا ہے نہ یہ کہ چوری چھپے یا اعلانیہ بدکاری کرتا پھرے اور ہر قسم کی ذمہ داری اٹھانے سے انکاری رہے اور اگر اس قبیح فعل کے نتیجہ میں

اولاد ہو جائے تو اس کو اپنا نام و نسب بھی نہ دے سکے۔ اور اس کو اور اس عورت کو معاشرہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دے جو کہ در در کی ٹھوکریں کھاتی پھرے اور ایسی اولاد بڑے ہو کر معاشرہ میں صرف اور صرف فساد، بربادی اور بے راہ روی کی ضامن بنے۔

دین اسلام کی ایک عظیم حکمت کو اعتراض برائے اعتراض کا نشانہ بنائے رکھنا اور اس کی واضح حکمتوں سے روگردانی کرتے رہنے کو بغض کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اگر یہ معاشرے اسلام کے اس حکم اور اس جیسے بے شمار دوسرے احکامات سے استفادہ کرنا چاہتے اور اسلام کو کھلے دل و دماغ سے سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے تو دوسری جنگ عظیم کے بعد جب یورپ میں جوان مردوں کی تعداد کم ہو گئی تھی اور عورتیں معاشی تنگی کی وجہ سے گھروں سے باہر نکل آئیں تھیں اور اس کے بعد یورپ میں جو جنسی بے راہ روی کا ایک طوفان برپا ہو گیا تھا وہ کبھی نہ ہوتا اور موجودہ دور میں بھی اگر اس اصول کو قبول کر لیا جائے تو اب بھی اس معاشرہ کی جنسی بے راہ روی جس نے ان معاشروں کی نہ صرف اخلاقی بنیادیں اکھاڑ دی ہیں بلکہ معاشرتی اور عمرانی و عائلی شیرازہ بھی بکھیر دیا ہے کچھ سنبھل سکتا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اہل مغرب اور ان سے متاثر دیگر لوگ دین اسلامکو کھلے دل و دماغ سے سمجھنے کی کوشش پر آمادہ ہو جائیں اور ہماری بطور مسلمان یہ ذمہ داری ہے کہ ہم دین حق کا پیغام ان اقوام تک صحیح انداز میں پہنچائیں۔

عقد زواج کے حوالہ سے یہ بات اس قدر اہم ہے کہ اسلام نے عقد زواج کو بلاضرورت توڑنے۔۔۔ یعنی اگر ایک شادی شدہ شخص کسی دوسری عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے جس کا امکان موجود ہے تو اس پر لازم نہیں کہ وہ اپنا پہلا عقد توڑے اور کسی عورت کے سر پر سے چادر اتار دے بلکہ اس کے پاس اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ دوسری کے سر پر بھی چادر دے دے اس طرح معاشرہ کے سطح پر عقد زواج ٹوٹے گا نہیں بلکہ جائز اور قانونی

حدود میں رہتے ہوئے بندھا رہے گا۔ اسی طرح اگر ایسے شخص کو یہ معلوم ہو کہ وہ کسی وجہ سے اپنی بیوی کو چھوڑ بھی نہیں سکتا لیکن اس کا میلان دوسری عورت کی طرف بھی ہو تو پھر وہ چوری چھپے آشنائی کا مرتکب ہوگا جس سے پیدا ہونے والے بگاڑ کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں جو کہ نہ صرف معاشرہ میں فساد کا موجب بنے گا بلکہ اس شخص کی ازدواجی زندگی بھی متاثر کرے گا۔ لہٰذا ہر دو صورت میں دوسری شادی کی اجازت فرد، کنبہ اور معاشرہ سب کے مجموعی مفاد میں ہی ہے۔

ثانیا: اس عقد کو یعنی شادی کو یا نکاح کو جس کو قرآن نے مضبوط معاہدہ کا نام دیا ہے۔ اسلام ہر ممکن طور پر قائم رکھنے کی کوشش کی ہے اور تمام ایسے راستے بند کر دیئے ہیں جو کہ اس کو کمزور، خراب یا توڑنے کے موجب بن سکیں۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا جاچکا ہے کہ اس کی بنیاد مضبوط رکھنے کے لیے لڑکی کی رائے کے ساتھ اس کے اولیاء کو شامل کیا۔ ایک شادی کے ہوتے ہوتے اس کو ختم کئے بغیر یا پہلی عورت کو دغا دیئے بغیر دوسری شادی کو فطری تقاضا سمجھتے ہوئے جائز قرار دیا لیکن ان سب باتوں کے ساتھ اسلام نے شریعت کو انسانی فطرت اور بشری تقاضوں سے ہم آہنگ رکھتے ہوئے اس معاہدہ کو ختم کرنے یا توڑنے پر کوئی قدغن نہیں لگائی۔ اسلام نے انسان کی فطرت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ اگر کوئی شخص باوجود تمام کوششوں کے اس عقد کو اسلام کے بنائے ہوئے حدود و قیود کے اندر پوری طرح نہیں بناہ سکتا تو اس کے ختم کرنے کا اختیار ہے۔ اور یہ اختیار عورت اور مرد کو یکسان حاصل ہے۔

گو طلاق کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ اس کے نزدیک جائز کاموں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ فعل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو حتی

المقدور اپنا یہ حق استعمال کرنے سے اجتناب ہی کرنا چاہئے اور جس طور ممکن ہو نباہ کی کوشش ضروری ہے۔

اس کے برعکس ہم ان مذاہب اور معاشروں کا حال دیکھتے ہیں جہاں یا تو طلاق جائز ہی نہیں ہے اور اگر جائز ہے تو اس حق کا استعمال طویل مشکل اور باعث تکلف ہے یہ تقریبا ناممکن ہی ہے۔ گو ایسے قوانین بنانے کی اسل اور بنیادی وجہ ان مذاہب اور معاشروں میں بھی یہی ہے کہ وہ اس رشتہ کے قیام میں ہی معاشرہ کی بقاء کو مضمر سمجھتے ہیں لیکن کیونکہ یہ مذاہب و قوانین انسانی ذہن کی اختراع ہیں لہٰذا غیر فطری ہیں جس کا نتیجہ بجائے بہتری کے مزید خرابی کی صورت میں نظر آتا ہے اور عصر حاضر میں اس کی مثال ہم کو انگلستان کے شاہی خاندان سے ملتی ہے کہ یہ خاندان اس معاشرہ میں اپنی روایات قدامت پرستی اور شرافت میں اعلی ترین درجہ پر فائز ہے لیکن اس خاندان کی عورتوں کی اخلاقی حالت کا نمونہ ہم کو شہزادی ڈیانا کی شکل نظر آتا ہے جو کہ شادی کے بندھن سے آزاد ہونا چاہتی تھی لیکن کیونکہ اس معاشرہ کے انسانی وضع کردہ قانون سے طلاق کو اس قدر مشکل فعل بنادیا ہے کہ قریبا ناممکن ہو کر رہ گیا ہے جس کا نتیجہ سامنے ہے کہ باوجود اس کے کہ شہزادی ڈیانہ پر بے پناہ سماجی دباؤ تھا لیکن وہ شادی کے بندھن میں رہتے ہوئے دیگر افراد سے آشنائی کرتی رہی کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ طلاق کی صور میں اس کو آزادی حاصل کرنا اس معاشرے کے قانون کے مطابق اور اس مذہب کے اصولوں کے مطابق ناممکن ہے۔ ظاہر ہے جب غیر فطری قانون بنے گا تو اس کے غیر انسانی اور غیر فطری نتائج بھی برآمد ہوں گے۔

سب سے زیادہ اہم بات یہ کہ ساری دنیا کے تمام مذاہب اور انسان ساختہ قوانین کے مقابلہ میں اسلام میں طلاق کا طریقہ چاہے وہ خلع کی صورت میں ہو یا طلاق کی۔ سب سے زیادہ احسن اور سہل ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ معاشرے بحمد للہ

اسلام کی روشنی سے منور ہیں وہاں طلاق کا تناسب بہت کم ہے باوجودیکہ اس کا طریقہ کار نہایت آسان اور سہل ہے بہ نسبت ان معاشروں کے جہاں عورت کے لیے طلاق حاصل کرنا محال اور مرد کے لیے طلاق دینا وبال ہے۔ اور ہماری دانست میں بہت سی دیگر وجوہ کے علاوہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے عقد نکاح کے قیام کے لیے فریقین کے گھرانوں کو ضروری فریق بنایا ہے اور اس عقد کو دو افراد نہیں بلکہ دو کنبوں کے ملاپ سے تعبیر کیا ہے نیز لڑکی کے حقوق کے تحفظ اور عقد نکاح کی صحیح بنیاد رکھنے کے لیے جو کہ دیرپا غیر متزلزل ہو نکاح میں اولیاء کی موجودگی یا ان کی رضامندی کو اس کا جز قرار دیا ہے۔ یہ ہیں دین اسلام کی حکمتیں جن کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے اور جن پر عمل کرنا ہمارے لیے باعث رحمت و برکت ہے اور جن سے دوری ہمارے یلے دنیاوی اور اخروی عذاب کا پیش خیمہ ہے۔

ولی کے حقوق وفرائض:

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے یہی کوشش کی ہے کہ نکاح کے معاملہ میں لڑکی کے ساتھ ساتھ اس کے اولیاء یا ولی کی موجودگی یا اس کی رضامندی کے جواز کو اجاگر کیا جاسکے اور وہ اسباب بیان کیئے جائیں جن کی وجہ سے لڑکی کے اولیاء کی نکاح کے وقت موجودگی یا ان کی اس نکاح پر رضامندی بنیاد ہے۔

ہماری رائے میں نکاح کے مسئلہ میں لڑکی کے ولی کا منصب نہایت ہی ذمہ دارانہ ہے اور یہ بات ظاہر اور واضح ہے کہ جب بھی کہیں ذمہ داریاں ہوتی ہیں تو اس کے مقابل حقوق بھی ہوتے ہیں لہٰذا اس معاملہ میں ولی کے اوپر جتنی بھی ذمہ داریاں ہیں وہ در حقیقت لڑکی کے حقوق سے وابستہ ہیں۔ اس کی وضاحت اولیاء پر نکاح کرنے کے معاملہ جو حدود و قیود اور شرائط دین اسلام نے عائد کی ہیں کہ مثلاً ولی پر ذمہ داری ہے کہ وہ لڑکی کا نکاح کفو میں

کرے، اس کی بہتری کو مدّ نظر رکھتے ہوئے کرے وغیرہ۔ اس کی تفصیل اس کتاب میں اپنے مقام پر درج ہے۔

در حقیقت دیکھا جائے تو یہ تمام تر حقوق لڑکی کے ہیں جن کے تحفظ کی ذمہ داری لڑکی کے اولیاء پر بطور فرض عائد ہوتی ہے۔ اور اگر لڑکی کے اولیاء اپنی یہ ذمہ داریاں کما حقہ شریعت اسلام کے مطابق پوری کرتے ہیں تو ان کو اس کے نتیجہ میں لڑکی کی رضامندی اور اذن سے یہ حق شریعت دیتی ہے کہ وہ اس کا نکاح کرادیں۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ اسلام مغرب کی طرح حقوق برائے حقوق کی بات نہیں کرتا بلکہ حقوق و فرائض کی بات کرتا ہے اور انسان کا ہر حق اس کے فرائض اور ذمہ داریوں کی ادائیگی سے وابستہ ہے۔ اگر انسان اپنے کسی حق سے وابستہ ذمہ داریاں یا فرائض کی ادائیگی نہیں کرتا یا اس میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کا حق بھی معدوم ہو جاتا ہے اور وہ اپنے حق کے استعمال سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہی صورت اولیاء یا ولی کے حق کی ہے گو ان کو یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ لڑکی کا نکاح کراسکیں لیکن ان کا یہ حق نکاح سے وابستہ لڑکی کے تمام حقوق کے تحفظ دینے کے فرائض سے وابستہ ہے۔ اگر کسی نکاح میں لڑکی کا کوئی بھی حق غیر محفوظ دانستہ یا غیر دانستہ رہ جاتا ہے تو ولی اپنے اس حق سے محروم ہو جاتا ہے۔

لڑکی کے حقوق وفرائض:

اسلام دنیا کا پہلا اور واحد مذہب ہے جس نے عورت کو شخصی آزادی دی اور آزادی اظہار اور آزادی رائے کے ساتھ ساتھ مرد کے مساوی حقوق دیئے ہیں نیز عورت کو تمام حقوق دیتے ہوئے جتنا تحفظ اسلام نے دیا ہے اتنا نہ کسی اور مذہب نے دیا ہے اور نہ دے سکتا ہے۔ مرد وزن میں مساوی حقوق ہونے کے علمبردار معاشروں نے اپنے تئیں مرد وزن کی مساوات قائم کرنے کی کوشش میں عورتوں کو مرد کے صرف اس حد تک

مساوی بنایا کہ وہ قطار میں مردوں کے ساتھ ان کے درمیان کھڑی ہو سکیں یا سفر کے دوران مردوں کے شانہ بشانہ دھکے کھائیں لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں کیونکہ جب انہوں نے مرد وزن کی مساوات کا نعرہ لگایا تو عورت کو حاصل شدہ تمام امتیازی تحفظات چھین لیے گئے اور جہاں تک حقوق کا تعلق ہے تو وہ تو ان معاشروں میں کیونکہ مردوں کے بھی تشنہ ہیں لہٰذا عورتیں بھی اس حد تک اپنے حقوق سے محروم نظر آتی ہیں۔ غرض بقول شاعر:

نہ خدا ہی ملا اور نہ وصال صنم　　　　نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

کی مصداق ان کی عورتیں بن کر رہ گئی ہیں۔

اس کے برعکس اسلام نے عورت کے حقوق کے حوالہ سے مردوں کے مساوی رکھا لیکن عورت کو محفوظ رکھنے کے لیے مرد کی نسبت کچھ اضافی اور امتیازی تحفظات بھی فراہم کئے جو کہ معاشرہ میں مرد کو حاصل نہیں۔ نیز ذمہ داریوں اور فرائض کے ضمن میں بھی مرد کے مقابلہ میں عورت پر معاشرتی ذمہ داریوں کا بوجھ ہلکا رکھا گیا ہے۔

نکاح کے حوالہ سے دیکھا جائے تو عورت کو وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو کہ مرد کو حاصل ہیں یعنی آزادی عمل واظہار رائے لیکن اسلامی معاشرہ میں عورت ایک مراعت یافتہ priviliged جنس سمجھی جاتی ہے لہٰذا اس عورت پر یہ ذمہ داری عائد کر دی گئی کہ وہ اس معاملہ میں یعنی نکاح کرتے وقت اپنے حقوق کا تحفظ کرے گی بالفاظ دیگر عورت پر لازم ہے کہ وہ نکاح کرتے وقت اپنے حقوق کا تحفظ کرے یعنی جس طرح کے مرد سے اسے نکاح کرنا چاہئے اس سے کمتر سے وہ شادی نہ کرے۔ اور جتنا اس عورت کو مہر رکھنا چاہئے اس سے کم نہ کرے وغیرہ۔۔۔ یہ عورت کے حقوق ہیں اور ان کا تحفظ اس عورت کا اپنا فرض ہے۔ اس ضمن میں اسلام نے عورت کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے ولی کے منصب کو رکھا ہوا ہے جس کا اولین اور واحد مقصد نکاح کے وقت لڑکیوں کے حقوق کا تحفظ ہے۔ جس کی تفصیل پہلے

گزر چکی ہے۔ لہٰذا اگر کسی دانستہ یا غیر دانستہ وجہ کی بنیاد پر عورت نکاح سے متعلق اپنے حقوق کا تحفظ نہیں کر پائی تو اس صورت میں عورت کے ساتھ ساتھ اس کے ولی کو یہ حق ان ذمہ داریوں کے عوض حاصل ہوگا جو کہ شریعت نے عورت کے حقوق کے تحفظ کے ضمن میں اس پر عائد کی ہیں کہ وہ معترض ہوسکے اور ہر وہ کام کرسکے جس سے عورت کی نکاح کے معاملہ میں بنیادی حقوق اس کو مل سکیں۔

یہ ہے اسلام میں عورت کا امتیازی اور خصوصی مقام جو کہ کسی دوسرے نظام میں عورت کو حاصل نہیں۔ دوسرے نظاموں میں تو یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے دانستہ یا غیر دانستہ اپنے کسی حق سے محروم ہوجاتی ہے۔ یا اس کو حاصل کرنے سے محروم ہوجاتی ہے تو پھر وہ محروم ہی رہتی ہے۔ مرد کے مقابلے میں اس کو اضافی تحفظ معاشرہ یا مذہب فراہم نہیں کرتا۔

نکاح کے معاملہ میں ولی کی موجودگی
عورتوں کے لیے ایک خصوصی رعایت

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام میں عقد نکاح کوئی دیوانی معاہدہ یا Social contract نہیں بلکہ یہ ایک شرعی معاہدہ ہے religion contract ۔ اور کیونکہ اسلام ایک ہمہ گیر مذہب ہے اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے لہٰذا یہ دین عقد نکاح سے وابستہ انسانی زندگی کے تمام سماجی عمرانی اور قانونی پہلوؤں پر بھی محیط ہے۔ خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس دین برحق کے کسی مسئلہ کو اس کی اصل روح کے تناظر سے کاٹ کر محض دنیاوی اعتبار سے دیکھا جاتا ہے یا پھر مغرب زدہ اذہان کی پیداوار قانون جو کہ ہمہ وقت تبدیل ہوتا رہتا ہے سے اس کا مقید اور محدود تقابل کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ان دو قباحتوں سے بچنے کے لیے لازم ہے کہ جب کبھی بھی اسلام کے کسی بھی مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو دو باتیں مدّ نظر رکھی جائیں۔

اولا: اسلام کے بنائے ہوئے ہر مسئلہ کو دین اسلام کے بتائے ہوئے مکمل ضابطہ حیات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے سمجھا اور سمجھایا جائے۔

ثانیا: دوسری اہم بات بھی متذکرہ بالا اصول کی ضمنی بات ہی ہے کہ جب اسلام کے کسی اصول کا کسی دنیاوی قانون سے تقابل کیا جاتا ہے تو دونوں نظاموں کا کلی طور پر تقابل لازمی ہے اور یہ بات بھی زیر غور رہنی چاہیئے کہ انسانی عقل سے وضع کیا ہوا قانون ہمہ وقت تبدیل اور تغیر پذیر رہتا ہے۔

نکاح میں ولی کی حیثیت کا معاملہ بھی ان ہی دو حوالوں سے وضاحت طلب ہے کیونکہ بدقسمتی سے ہمارے معاشرہ میں بعض ایسے شرپسند مغرب زدہ طبقات پیدا کر دیئے گئے ہیں جو کہ ایسے معاملات کی غلط اور توڑ مروڑ کر تشریح کرتے ہیں جن سے عام آدمی کے

ذہن میں وقتی طور پر ایک الجھاؤ پیدا کیا جاسکتا ہو۔ اس قسم کے طبقے کی طرف سے آزادی نسواں کے نام پر تحریک چلاتے ہوئے اس مسئلہ کو بھی الجھاؤ کا نشانہ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے حالانکہ حقیقت اسکے برعکس ہے اس مسئلہ کو اس حوالہ سے اور اس انداز میں باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اس طرح بیان کیا جاتا ہے جیسے ولی کا وجود آزادی نسواں اور عورتوں کے حقوق پر ایک قسم کی قدغن ہے جبکہ اصل مسئلہ بالکل اسکے برعکس ہے۔

نکاح میں ولی کے وجود کی حکمت و حیثیت:

اس کتاب میں ولی کے وجود کی حیثیت مفصل بحث کی گئی ہے اور اس تمام بحث سے ایک بات بالاتفاق سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ عقد نکاح میں ولی کی حیثیت نگران اور سرپرست کی ہے۔ یعنی وہ اس اہم عقد کی تکمیل کے مسئلہ میں ایک بزرگ اور نگران وسرپرست کی حیثیت رکھتا ہے اور اس ضمن میں امام محمدؒ کا قول غور طلب ہے کہ:

> ”جس طرح نکاح عورت کے الفاظ سے منعقد ہوتا ہے اور ولی کے اذن واجازت سے نافذ ہوتا ہے اس ہی طرح ولی کے الفاظ سے منعقد ہوتا ہے اور عورت کے اذن واجازت سے نافذ ہوتا ہے۔“

اس قول کی مزید تشریح امام محمدؒ اور امام یوسفؒ دونوں کی رائے سے ہوتی ہے کہ:

> ”جب عورت نے اپنا نکاح کفو سے کرلیا تو وہ نافذ ہو جاتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ عورت کے نکاح میں ولی کا حق ضمانت (حفاظت) ونگہبانی کی غرض سے ہے۔ چونکہ عورت کے غیر کفو سے نکاح کرنے سے اس کے اولیاء کو عار لاحق ہوگا اور ایسا کرنا

عموماً عورت کے اپنے حق میں بھی بہتر ثابت نہیں ہوتا لہٰذا اگر
عورت نے اپنا نکاح کفو سے کر لیا تو اولیاء کا حق ختم ہو جاتا ہے۔"

اس بات کے لیے دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی عورت ایک کفو کو منتخب یا پسند کرے اور ولی سے مطالبہ کرے کہ وہ اس کا نکاح اس کفو سے کر دے تو ولی کے لیے یہ امر جائز نہیں ہے کہ اس کو منع کرے۔ چنانچہ اگر عورت نے خود اپنا نکاح کفو سے کر لیا تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ولی نے خود اس عورت کا نکاح کر دیا۔

امام ابو حنیفہ نے یہ حکم اخذ کیا کہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ جب اپنا نکاح خود کرے تو ایسا نکاح ظاہری روایات کے بموجب جائز ہوگا خواہ شوہر اس عورت کا کفو ہو یا غیر کفو، نکاح صحیح ہو جائے گا لیکن اگر شوہر اس عورت کا کفو نہ ہو تو اولیاء کو اس نکاح پر حق اعراض حاصل ہوگا اور وہ اس نکاح کو بذریعہ عدالت یا حاکم فسخ کرا سکتے ہیں۔

اسلام میں عورت کی خصوصی حاظت:

متذکرہ بالا ائمہ کی آراء سے معلوم ہوا کہ اسلام کو عورت کی خصوصی حفاظت مقصود ہے کہ جہاں تک نکاح کے معاملہ میں آزادئ رائے اور اس رائے کے استعمال کے حق کا تعلق ہے وہ تو ایک عاقلہ بالغہ عورت کو حاصل ہے لیکن اگر وہ اس رائے کے استعمال میں کوئی غلطی یا کوتاہی کر بیٹھی ہے تو اس عورت کے اولیاء جو کہ اس عورت کے حقوق اور ذات کے نگہبان اور محافظ ہیں بذریعہ عدالت اپنا یہ حق عورت کے فائدہ کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ اور ایسی صورت میں عورت کو اس کے تمام حقوق بھی ملیں گے۔ اس ہی طرح اگر کوئی عورت اپنی مرضی سے کسی مرد سے نکاح کر لیتی ہے اور مہر اپنی حیثیت کے مطابق نہیں رکھتی بلکہ کم رکھتی ہے تو اس صورت میں بھی اس عورت کے اولیاء عدالت سے رجوع

کر سکتے ہیں۔ اور یہ سب اس لیے ہے کہ کہیں نادانی اور ناسمجھی میں یا جذبات سے مغلوب ہو کر یا بے خبری میں عورت کے حق اس سے سلب نہ ہو جائیں اور اگر اولیاء ایسا محسوس کریں تو عدالت سے رجوع کیا جاسکتا ہے اور عدالت اس عورت کے حقوق کا تحفظ شواہد کی روشنی میں کرے گی۔ در حقیقت یہ ایک خصوصی رعایت ہے جو کہ عورت کو اسلام نے عطا فرمائی ہے جس کو آج کا مغرب زدہ ذہن سمجھنے سے قاصر ہے یا سمجھنا نہیں چاہتا۔ نکاح کا مسئلہ ایک اہم اور نازک مسئلہ ہوتا ہے لہٰذا اس معاملہ میں اسلام عورت کو بے سر و پا اکیلا نہیں چھوڑتا کہ اس مسئلہ میں عورت سیاہ کرے یا سفید نتائج کی وہ خود ذمہ دار ہے اور اسکے لواحقین کا اس سے کوئی تعلق و واسطہ نہیں۔ اسلام اپنے مزاج میں معاشرتی معاملات میں حدّ درجہ انفرادیت over individualism کا قائل نہیں بلکہ اسلامی معاشرہ کی بنیادی اکائی خاندان ہی قرار دیتا ہے۔ لہٰذا عورت کو ناگہانی ضرر اور پریشانی سے بچانے کے لیے یہ حق اسکے اولیاء کو دین اسلام نے دیا ہے کہ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی نکاح کے بارے میں عورت غلط فیصلہ کرکے پھنس گئی ہے تو وہ اس کی مدد و حفاظت بذریعہ عدالت کر سکتے ہیں یہ خوبی ہمیں دنیا کے کسی دوسرے قانونی نظام میں نظر نہیں آتی اور یہ شاید یہ ہی وجہ ہے کہ جن معاشروں نے عورت کو اولیاء کی حفاظت اور نگہبانی سے سو فیصد نکال کر آزادی کے سہانے خواب دکھائے ہیں وہاں عورت نہ صرف انتہائی کمزور بے بس ہو کر رہ گئی ہے بلکہ در حقیقت مرد کے مقابلہ میں ایک کمتر جنس بن کر رہ گئی ہے اور ان معاشروں نے عورت اپنے اولیاء کی حفاظت و نگہبانی میں چلی جائے تو ان کے حالات بہتری کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔ اسلام میں ولی کی شکل میں اتنا خوبصورت اور معتدل نظام عورت کی حفاظت اور نگہبانی کے لیے وضع کیا ہے کہ اسکی رائے و عمل میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور وہ معاشرہ میں موجود درندہ صفت اور ہوس کے پجاریوں سے بھی محفوظ رہتی ہے۔ مغرب نے اس خوبصورت اور متوازن نظام

کو توڑ کر ایک طرف تو لڑکی کے والدین جو کہ اپنی فطرت میں شفقت اور ممتا رکھتے ہیں سے محروم کر دیا ہے اور وہ والدین اس فطری تقاضے کے مد نظر چاہتے ہوئے بھی اپنی جوان لڑکیوں کی حفاظت کرنے سے قاصر و مجبور نظر آتے ہیں اور مستقل ایک کرب سے گزرتے ہیں اور دوسری طرف عورت نام نہاد شخصی آزادی کے نام پر ساری عمر دربدر کی ٹھوکریں کھاتی رہتی ہے اور ساری عمر ہوس پرستوں کی ہوس کا نشانہ بنتی رہتی ہے اور انجام کار اپنی آخری عمر اکیلے پن میں کسی old house میں گزارتی ہے۔

اسلام کے دیے ہوئے اس عالمگیر نظام میں اولیاء کی موجودگی ایک رحمت ہے اور ہمارے خاندانی نظام کو قائم رکھنے میں اسکا ایک کلیدی کردار ہے جس سے مغرب عاری ہے۔

خلاصہ

- دین اسلام معاشرہ میں رشتہ ازواج کو مضبوط اور احسن طریقہ سے قائم رکھنے کے لیے اس رشتہ کی بنیاد مضبوط، صحیح اور احسن طریقہ سے رکھنے پر زور دیتا ہے۔
- رشتہ ازواج کے قیام کے وقت لڑکی کے ولی کی موجودگی یا اس کی رضامندی کا اصل اور بنیادی مقصد لڑکی کے حقوق کا تحفظ اور اس کی سرپرستی ہے۔
- ولی کا منصب نہایت ذمہ داری کا متقاضی ہے۔
- معاشرتی معاملات میں اسلام کے تمام اصول حکمتوں سے بھرے ہوئے ہیں جن میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی فلاح مضمر ہے۔
- اسلام عورت کو نہ صرف مرد کے مساوی حقوق فراہم کرتا ہے نیز فرائض کے معاملات میں بعض مقامات پر عورت کو خصوصی مراعات بھی دیتا ہے۔
- اسلام انفرادی زندگی پر اجتماعی زندگی کو ترجیح دیتا ہے۔

دوسرا حصہ

اسلام کا مزاج اور رشتہ ازدواج

تیسرا حصہ:
ولی کی تعریف واختیارات

ولی کی تعریف:

اس کتاب کے گزشتہ دونوں حصوں کے بعد ولی کی حیثیت پر مفصل بحث سے قبل یا نکاح میں اس کے اختیار، ان کی حدود اور علماء میں اس بارے میں اختلاف اور اس کے اسباب پر بحث کرنے سے قبل ہم یہ بات ضروری سمجھتے ہیں کہ ولی کی تعریف یعنی اس کی لغوی اور اصطلاحی معنی پر عمیق نظر ڈال لی جائے کیونکہ مسئلہ کا یہ پہلو بھی نہایت اہم اور قابل توجہ ہے اور یہ مسئلہ کو سمجھنے میں ممد ومعاون ثابت ہوگا۔ لہٰذا سب سے پہلے ہم لفظ "ولی" کے لغوی معنی پر بحث کریں گے۔

ولی کے لغوی معنی:

اس لفظ کا مادہ (و-ل-ی) ہے ولی، ولایۃ کے لغوی معنی ہیں قریب ہونا، حکمرانی کرنا، کسی کی حفاظت کرنا، ولی کے معنی ہیں مربی، قریبی، سرپرست، محسن، حمایتی اور دوست۔ اس کا اطلاق قریبی رشتہ داروں پر بھی ہوتا ہے۔[18]

یہ لفظ قرآن مجید میں مذکورہ بالا معانی میں استعمال ہوا ہے جس کی تفصیل یہ ہے[19]:

18۔ دائرۃ المعارف الاسلامیۃ، ج23

19۔ معجم مفہرس القرآن ص766-768

اللفظة	الآيـــة	رقمها		السورة	رقمها
مُوَلِّيهَا	ولكل وجهة هو موليها	١٤٨	م	البقرة	٢
وَلِيٌّ	وما لكم من دون الله من ولي ولا نصير	١٠٧	م	»	٢
(٤٠)	مالك من الله من ولي ولا نصير	١٢٠	م	»	٢
	الله ولي الذين آمنوا يخرجهم من الظلمات إلى النـور	٢٥٧	م	»	٢
	والله ولي المؤمنين	٦٨	م	آل عمران	٣
	ليس لهم من دونه ولي ولا شفيع لعلهم يتقون	٥١	ك	الأنعام	٦
	أن تبسل نفس بما كسبت ليس لها من دون الله ولي ولا شفيع	٧٠	ك	»	٦
	وما لهم في الأرض من ولي ولا نصير	٧٤	م	التوبة	٩
	يحيي و يميت وما لكم من دون الله من ولي ولا نصيـر	١١٦	م	»	٩
	مالك من الله من ولي ولا واق	٣٧	م	الرعـد	١٣
	ولم يكن له شريك في الملك ولم يكن له ولي من الذل	١١١	ك	الإسـراء	١٧
	مالهم من دونه من ولي ولا يشرك في حكمه أحدا ...	٢٦	ك	الكهف	١٨
	وما لكم من دون الله من ولي ولا نصير	٢٢	ك	العنكبوت	٢٩
	ما لكم من دونه من ولي ولا شفيع أفلا تتذكرون ...	٤	ك	السجدة	٣٢
	فإذا الذي بينك و بينه عداوة كأنه ولي حميم	٣٤	ك	فصـلت	٤١
	والظالمون ما لهم من ولي ولا نصيـر	٨	ك	الشورى	٤٢
	أم اتخذوا من دونه أولياء فالله هو الولي	٩	ك	»	٤٢
	و ينشر رحمته وهو الولي الحميد	٢٨	ك	»	٤٢
	وما لكم من دون الله من ولي ولا نصير	٣١	ك	»	٤٢
	ومن يضلل الله فماله من ولي من بعـده	٤٤	ك	»	٤٢
	وإن الظالمين بعضهم أولياء بعض والله ولي المتقين	١٩	ك	الجاثيـة	٤٥
وَلِيًّا	والله أعلم بأعدائكم وكفى بالله وليا وكفى بالله نصيرا	٤٥	م	النسـاء	٤
(١٣)	واجعل لنا من لدنك وليا واجعل لنا من لدنك نصيرا	٧٥	م	»	٤
	واقتلوهم حيث وجدتموهم ولا تتخذوا منهم وليا ولا نصيرا	٨٩	م	»	٤
	ومن يتخذ الشيطان وليا من دون الله فقد خسر خسرانا مبينا	١١٩	م	»	٤
	من يعمل سوءا يجز به ولا يجد له من دون الله وليا ولا نصيرا	١٢٣	م	»	٤
	فيعذبهم عذابا أليما ولا يجدون لهم من دون الله وليا ولا نصيرا	١٧٣	م	»	٤
	قل أغير الله أتخـذ وليا فاطر السموات والأرض	١٤	ك	الأنعام	٦
	ومن يضلل فلن تجد له وليا مرشدا	١٧	ك	الكهف	١٨
	فهب لي من لدنك وليا ، يرثني و يرث من آل يعقوب	٥	ك	مـريم	١٩
	يا أبت إني أخاف أن يمسـك عذاب من الرحمن فتكون للشيطان وليا	٤٥	ك	»	١٩
	ولا يجدون لهم من دون الله وليـا ولا نصيرا	١٧	م	الأحزاب	٣٣
	خالدين فيها أبدا لا يجدون وليا ولا نصيرا...	٦٥	م	»	٣٣
	ولو قاتلكم الذين كفروا لولوا الأدبار ثم لا يجـدون وليا ولا نصيرا	٢٣	م	الفتـح	٤٨
وَلِيُّكُمُ	إنما وليكم الله ورسوله والذين آمنوا	٥٥	م	المـائدة	٥

اللفظة	الآيــة	رقمها		السورة	رقمها
وَلِيُّنَا	أنت ولينا فاغفر لنا وارحمنا وأنت خير الغافرين ...	١٥٥	ك	الأعراف	٧
(٢)	قالوا سبحانك أنت ولينا من دونهم بل كانوا يعبدون الجن	٤١	ك	سبأ	٣٤
وَلِيُّهُ	أو لا يستطيع أن يمل هو فليملل وليه بالعدل	٢٨٢	م	البقرة	٢
(٣)	ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لوليه سلطانا فلا يسرف في القتل	٣٣	م	الإسراء	١٧
	لنبيتنه وأهله ثم لنقولن لوليه ما شهدنا مهلك أهله ...	٤٩	ك	النمل	٢٧
وَلِيُّهُمْ	لهم دار السلام عند ربهم وهو وليهم بما كانوا يعملون	١٢٧	ك	الأنعام	٦
(٢)	فزين لهم الشيطان أعمالهم فهو وليهم اليوم ولهم عذاب أليم	٦٣	ك	النحل	١٦
وَلِيُّهُمَا	إذ همت طائفتان منكم أن تفشلا والله وليهما	١٢٢	م	آل عمران	٣
وَلِيِّيَ	إن وليي الله الذي نزل الكتاب وهو يتولى الصالحين	١٩٦	ك	الأعراف	٧
(٢)	فاطر السموات والأرض أنت وليي في الدنيا والآخرة	١٠١	ك	يوسف	١٢
أَوْلِيَاءُ	لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين	٢٨	م	آل عمران	٣
(٣٤)	فقاتلوا أولياء الشيطان إن كيد الشيطان كان ضعيفا	٧٦	م	النساء	٤
	فلا تتخذوا منهم أولياء حتى يهاجروا في سبيل الله ...	٨٩	م	»	٤
	الذين يتخذون الكافرين أولياء من دون المؤمنين أيبتغون عندهم العزة فإن العزة لله جميعا	١٣٩	م	»	٤
	يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا الكافرين أولياء من دون المؤمنين	١٤٤	م	»	٤
	يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء	٥١	م	المائدة	٥
	بعضهم أولياء بعض ومن يتولهم منكم فإنه منهم... ...	٥١	م	»	٥
	يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا الذين اتخذوا دينكم هزوا ولعبا من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم والكفار أولياء	٥٧	م	»	٥
	ولو كانوا يؤمنون بالله والنبي وما أنزل إليه ما اتخذوهم أولياء	٨١	م	»	٥
	اتبعوا ما أنزل إليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه أولياء	٣	ك	الأعراف	٧
	إنا جعلنا الشياطين أولياء للذين لا يؤمنون	٢٧	ك	»	٧
	إنهم اتخذوا الشياطين أولياء من دون الله	٣٠	ك	»	٧
	والذين آووا ونصروا أولئك بعضهم أولياء بعض ...	٧٢	م	الأنفال	٨
	والذين كفروا بعضهم أولياء بعض	٧٣	م	»	٨
	لا تتخذوا آباءكم وإخوانكم أولياء إن استحبوا الكفر على الإيمان	٢٣	م	التوبة	٩
	والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض...	٧١	م	»	٩
	ألا إن أولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون ...	٦٢	ك	يونس	١٠
	وما كان لهم من دون الله من أولياء	٢٠	ك	هود	١١
	وما لكم من دون الله من أولياء ثم لا تنصرون ...	١١٣	ك	»	١١
	قل أفاتخذتم من دونه أولياء لا يملكون لأنفسهم نفعا ولا ضرا	١٦	م	الرعد	١٣
	ومن يضلل فلن تجد لهم أولياء من دونه	٩٧	ك	الإسراء	١٧
	أفتتخذونه وذريته أولياء من دوني وهم لكم عدو ...	٥٠	ك	الكهف	١٨
	أفحسب الذين كفروا أن يتخذوا عبادي من دوني أولياء	١٠٢	ك	»	١٨
	قالوا سبحانك ما كان ينبغي لنا أن نتخذ من دونك من أولياء	١٨	ك	الفرقان	٢٥

اللفظة	الآيـــة	رقمها	السورة	رقمها
أَوْلِيَاءُ:	مثل الذين اتخذوا من دون الله أولياء كمثل العنكبوت	٤١	ك العنكبوت	٢٩
	والذين اتخذوا من دونه أولياء ما نعبدهم إلا ليقربونا إلى الله زلفى	٣	ك الـزمر	٣٩
	والذين اتخذوا من دونه أولياء الله حفيظ عليهم ...	٦	ك الشورى	٤٢
	أم اتخذوا من دونه أولياء فالله هو الولي	٩	ك »	٤٢
	وما كان لهم من أولياء ينصرونهم من دون الله ...	٤٦	ك »	٤٢
	ولا يغني عنهم ما كسبوا شيئا ولا ما اتخذوا من دون الله أولياء	١٠	ك الجاثيـة	٤٥
	وإن الظالمين بعضهم أولياء بعض والله ولي المتقين	١٩	ك »	٤٥
	ومن لا يجب داعي الله فليس بمعجز في الأرض وليس له من دونه أولياء	٣٢	ك الأحقاف	٤٦
	يأيها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوي وعدوكم أولياء	١	م الممتحنـة	٦٠
	إن زعمتم أنكم أولياء لله من دون الناس فتمنوا الموت	٦	م الجمعـة	٦٢
أَوْلِيَاءَهُ:	إنما ذلكم الشيطان يخوف أولياءه	١٧٥	م آل عمران	٣
(٢)	وهم يصدون عن المسجد الحرام وما كانوا أولياءه	٣٤	ك الأنفال	٨
أَوْلِيَاؤُكُمْ:	نحن أولياؤكم في الحياة الدنيا وفي الآخرة ...	٣١	ك فصـلت	٤١
أَوْلِيَاؤُهُ:	إن أولياؤه إلا المتقون ولكن أكثرهم لا يعلمون	٣٤	ك الأنفال	٨
أَوْلِيَاؤُهُمُ:	والذين كفروا أولياؤهم الطاغوت	٢٥٧	م البقـرة	٢
(٢)	وقال أولياؤهم من الإنس ربنا استمتع بعضنا ببعض	١٢٨	ك الأنعام	٦
أَوْلِيَائِكُمْ:	إلا أن تفعلوا إلى أوليائكم معروفا	٦	م الأحزاب	٣٣
أَوْلِيَائِهِمْ:	وإن الشياطين ليوحون إلى أوليائهم ليجادلوكم	١٢١	ك الأنعام	٦
الْوَلَايَةُ:	هنالك الولاية لله الحق هو خير ثوابا وخير عقبا	٤٤	ك الكهف	١٨
وَلَايَتِهِمْ:	والذين آمنوا ولم يهاجروا ما لكم من ولايتهم من شيء حتى يهاجروا...	٧٢	م الأنفال	٨
أَوْلَى:	إن أولى الناس بإبراهيم للذين اتبعوه وهذا النبي والذين آمنوا	٦٨	م آل عمران	٣
(١١)	إن يكن غنيا أو فقيرا فالله أولى بهما	١٣٥	م النسـاء	٤
	وأولوا الأرحام بعضهم أولى ببعض في كتاب الله ...	٧٥	م الأنفـال	٨
	ثم لنحن أعلم بالذين هم أولى بها صليا	٧٠	ك مـريم	١٩
	النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم وأزواجه أمهاتهم	٦	م الأحزاب	٣٣
	وأولـوا الأرحام بعضهم أولى ببعض في كتاب الله من المؤمنين والمهاجرين	٦	م »	٣٣
	فأولى لهم ۔ طاعة وقول معروف	٢٠	م محمـد	٤٧
	أولى لك	٣٤	ك القيامـة	٧٥
	فأولى	٣٤	ك »	٧٥
	ثم أولى لك	٣٥	ك »	٧٥
	فأولى	٣٥	ك »	٧٥

اللفظة	الآيـــة	رقمها	السورة	رقمها
الأَوْلَيَان:	فآخران يقومان مقامهما من الذين استحق عليهم الأوليان	١٠٧	م المائدة	٥
المَوْلَى:	وإن تولوا فاعلموا أن الله مولاكم نعم المولى ونعم النصير	٤٠	م الأنفال	٨
(٧)	يدعوا لمن ضره أقرب من نفعه لبئس المولى ولبئس العشير	١٣	م الحج	٢٢
	واعتصموا بالله هو مولاكم فنعم المولى ونعم النصير	٧٨	م »	٢٢
	يوم لا يغني مولى	٤١	ك الدخان	٤٤
	عن مولى شيئا ولا هم ينصرون	٤١	ك »	٤٤
	ذلك بأن الله مولى الذين آمنوا	١١	م محمد	٤٧
	وأن الكافرين لا مولى لهم	١١	م »	٤٧
مَوْلَاكُمْ:	بل الله مولاكم وهو خير الناصرين	١٥٠	م آل عمران	٣
(٥)	وإن تولوا فاعلموا أن الله مولاكم نعم المولى ونعم النصير	٤٠	م الأنفال	٨
	واعتصموا بالله هو مولاكم فنعم المولى ونعم النصير	٧٨	م الحج	٢٢
	مأواكم النار هي مولاكم وبئس المصير	١٥	م الحديد	٥٧
	والله مولاكم وهو العليم الحكيم	٢	م التحريم	٦٦
مَوْلَانَا:	واعف عنا واغفر لنا وارحمنا أنت مولانا	٢٨٦	م البقرة	٢
(٢)	قل لن يصيبنا إلا ما كتب الله لنا هو مولانا	٥١	م التوبة	٩
مَوْلَاهُ:	أحدهما أبكم لا يقدر على شيء وهو كل على مولاه	٧٦	ك النحل	١٦
(٢)	فإن الله هو مولاه وجبريل وصالح المؤمنين	٤	م التحريم	٦٦
مَوْلَاهُمُ:	ثم ردوا إلى الله مولاهم الحق	٦٢	ك الأنعام	٦
(٢)	وردوا إلى الله مولاهم الحق وضل عنهم ما كانوا يفترون	٣٠	ك يونس	١٠
مَوَالِيَ:	ولكل جعلنا موالي مما ترك الوالدان والأقربون	٣٣	م النساء	٤
(٢)	وإني خفت الموالي من ورائي وكانت امرأتي عاقرا	٥	ك مريم	١٩
مَوَالِيكُمْ:	فإن لم تعلموا آباءهم فإخوانكم في الدين ومواليكم	٥	م الأحزاب	٣٣

اس لفظ سے متعلق امام راغب اصفہانی نے "مفردات القرآن" میں تفصیل سے لکھا ہے اور اس کے معانی قرآنی حوالہ سے بیان فرمائے ہیں۔ ویسے تو اس کے وہی معنی ہیں جو بیان کئے جاچکے ہیں لیکن مفص بیان کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ امام صاحب کی تعریف بھی بیان کی جائے جو کہ لغوی اعتبار سے معتبر ترین ہے:

"**الولاء والتوالی**" کے اصل معنی دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا اس طرح یکے بعد دیگرے آنا کہ ان کے درمیان کوئی ایسی چیز نہ آئے جو ان میں سے نہ ہو۔ پھر استعارہ کے طور پر قرب کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ خواہ وہ قرب بلحاظ دین اور دوستی یا نصرت کے ہو اور یا بلحاظ اعتقاد کے۔

الولایة (بکسر الواو) کے معنی نصرت اور **ولایة** (بفتح الواو) کے معنی کسی کام کا متولی ہونے کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ دلالت ودِلالۃ کی طرح یعنی اس میں دو لغت ہیں اور اس کے معنی کسی کام کا متولی ہونے کے ہیں۔

الولی والمولی: یہ دونوں کبھی اسم فاعل یعنی موال کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور کبھی اسم مفعول یعنی مولی کے معنی میں آتے ہیں۔ اور مومن کو ولی اللہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن مولی اللہ کہنا ثابت نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالی کے متعلق ولی المؤمنین و مولاہم دونوں طرح بول سکتے ہیں۔ چنانچہ معنی اولی اسم فاعل کے متعلق فرمایا:

﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا﴾[20]

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ان کا دوست خدا ہے۔

20۔[البقرة:257]

﴿إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ﴾[21]

ترجمہ: میرا مددگار تو اللہ ہی ہے۔

﴿وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾[22]

ترجمہ: اور اللہ مومنوں کا کارساز ہے۔

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا﴾[23]

ترجمہ: یہ اس لیے کہ جو مومن ہیں ان کا خدا کارساز ہے۔

﴿نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ﴾[24]

ترجمہ: خوب حمایتی اور خوب مددگار ہے۔

﴿وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ﴾[25]

ترجمہ: اور خدا کے دین کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو وہی تمہارا دوست ہے اور خوب دوست ہے۔

21۔[الأعراف:196]

22۔[آل عمران:68]

23۔[محمد:11]

24۔[الأنفال:40]

25۔[الحج:78]

اور دوسرے معنی یعنی اسم مفعول کے متعلق فرمایا:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ﴾[26]

ترجمہ: کہہ دو کہ اے یہود اگر تم کو یہ دعوی ہو کہ تم ہی خدا کے دوست ہو اور لوگ نہیں۔

﴿وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ﴾[27]

ترجمہ: اور پیغمبر (کی ایذا) پر باہم اعانت کروگے تو اللہ ان کے حامی اور دوست دار ہیں۔

﴿ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ﴾[28]

ترجمہ: پھر قیامت کے دن تمام لوگ اپنے مالک برحق خدائے تعالی کے پاس واپس لائے جائیں گے۔

﴿وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَالٍ﴾[29]

ترجمہ: اور خدا کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

26۔[الجمعۃ:6]

27۔[التحریم:4]

28۔[الانعام:62]

29۔[الرعد:11]

میں والٍ کی معنی ولی کے ہیں اور متعدد آیات میں اللہ عالی نے مؤمنوں اور کافروں کے درمیان ولایۃ کی نفی کی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾(30)

ترجمہ: اے ایمان والو یہود اور نصاری کو دوست نہ بناؤ۔ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ایک کو دوست بنائے گا وہ بھی انہی میں سے ہوگا۔

﴿لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ﴾(31)

ترجمہ: اگر تمہارے ماں باپ اور بہن بھائی ایمان کے مقابل کفر کو پسند کریں تو ان سے دوستی نہ رکھو۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ﴾(32)

ترجمہ: اور اس کے سوا اور رفیقوں کی پیروی نہ کرو۔

30۔[المائدۃ: 51]

31۔[التوبۃ: 23]

32۔[الأعراف: 3]

﴿مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا﴾[33]

ترجمہ: توجب تک وہ ہجرت نہ کریں تم کوان کی رفاقت سے کچھ سروکار نہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾[34]

ترجمہ: مومنو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

اور آیت:

﴿تَرَىٰ كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ [المائدۃ: 80] کے آخر میں فرمایا:

﴿وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ﴾[35]

ترجمہ: اور اگر وہ خدا پر اور پیغمبر پر اور جو کتاب ان پر نازل ہوئی تھی اس پر یقین رکھتے تو ان لوگوں کو دوست نہ بناتے۔

اور کفار اور شیاطین کے درمیان دنیا میں موالات توثابت ہے لیکن آخرت میں ان کے درمیان دوستی کی نفی کی گئی ہے چنانچہ دنیا میں ان کی باہم موالات کے متعلق فرمایا:

33۔[الأنفال:72]

34۔[الممتحنۃ:1]

35۔[المائدۃ:81]

﴿الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ﴾[36]

ترجمہ: منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ہم جنس (یعنی ایک ہی طرح کے)۔

اور فرمایا:

﴿إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾[37]

ترجمہ: ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو رفیق بنالیا۔

﴿إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾[38]

ترجمہ: ہم نے شیطانوں کو ان ہی لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔

﴿فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ﴾[39]

ترجمہ: سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو۔

پھر جس طرح ان کے درمیان باہم دوستی کو ثابت کیا ہے اسی طرح دنیا میں کفار پر

36۔ التوبہ: 67

37۔ [الأعراف: 30]

38۔ [الأعراف: 27]

39۔ [النساء: 76]

شیاطین کو تسلط بھی دے رکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ﴾(40)

ترجمہ: اس کا زور انہیں لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں۔

اور آخرت میں ان کی باہم دوستی کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَوْلًى شَيْئًا﴾(41)

ترجمہ: جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہیں آئے گا۔

﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ﴾(42)

ترجمہ: پھر قیامت کے دن ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کروگے۔

﴿قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا﴾(43)

40۔[النحل:100]

41۔[الدخان:41]

42۔[العنکبوت:25]

43۔[القصص:63]

ترجمہ: اور جن لوگوں کو عذاب کا حکم ثابت ہو چکا ہوگا وہ کہیں گے کہ ہمارے پروردگار یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا۔

اور تَوَلّٰی کا لفظ متدی بنفسہ ہوتا ہے تو معنیٰ ولایۃ اور قریب ترین مواضع سے اس کے حصول کو چاہتا ہے۔ چنانچہ اسی سے کہا جاتا ہے: "**ولیت سمعی کذا وولیت عینی کذا**" (میں نے اپنے کان یا آنکھ کو فلاں چیز پر لگایا) "**ولیت وجھی کذا**" (میں اپنے چہرے کے ساتھ اس پر متوجہ ہوا۔) چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾(44)

ترجمہ: سو ہم تم کو اسی قبلے کی طرف جس کو تم پسند کرتے ہو چہرہ پھیرنے کا حکم دیں گے۔ اب اپنا چہرہ مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیرلو اور تم لوگ جہاں ہُوا کروا (نماز پڑھنے کے وقت) اسی مسجد کی طرف منہ کرلیا کرو۔

اور جب بذریعہ عن کے متعدی ہو تو خواہ وہ عن لفظوں میں مذکور ہو یا مقدر، اس کے معنیٰ "اعراض" اور "دور ہونا" کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ تعدیہ بذاتہ کے متعلق فرمایا:

﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾(45)

44۔[البقرۃ:144]

45۔[المائدۃ:51]

ترجمہ : اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہی میں سے ہوگا۔

﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾[46]

ترجمہ : اور جو شخص خدا اور اس کے پیغمبر سے دوستی کرے گا۔

اور یہ تعدیہ بعن کے متعلق فرمایا:

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ﴾[47]

ترجمہ : تو اگر یہ لوگ پھر جائیں تو خدا مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔

﴿إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ﴾[48]

ترجمہ : ہاں جس نے منہ پھیرا اور نہ مانا۔

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا﴾[49]

ترجمہ : اگر یہ لوگ اس بات کو نہ مانیں تو ان سے کہہ دو کہ تم گواہ رہو۔

46۔[المائدۃ: 56]

47۔[آل عمران: 63]

48۔ [الغاشیۃ: 23]

49۔[آل عمران: 64]

﴿وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾[50]

ترجمہ: اگر تم منہ پھیروگے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا۔

﴿فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾[51]

ترجمہ: اور اگر تم منہ پھیر لوگے تو ہمارے پیغمبر کے ذمہ تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچادینا ہے۔

﴿وَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ﴾[52]

ترجمہ: اور اگر رو گردانی کریں تو جان رکھو کہ خدا تمہارا حمایتی ہے۔

﴿فَمَن تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[53]

ترجمہ: تو جو اس کے بعد پھر جائیں وہ بدکردار ہیں۔

اور تولی (بمعنی اعراض) کے معنی کبھی پیٹھ پھیرنا کے ہوتے ہیں اور کبھی توجہ نہ کرنے اور ترک قرب کے۔ چنانچہ فرمایا:

50۔[محمد:38]

51۔[التغابن:12]

52۔[الانفال:40]

53۔[آل عمران:82]

﴿وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ﴾[54]

ترجمہ: اور اس سے رو گردانی نہ کرو اور تم سنتے ہو۔

یعنی ان لوگوں کا کردار ادا نہ کرو جن کی صفت یہ تھی کہ:

﴿وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا﴾[55]

ترجمہ: اور کپڑے اوڑھ لئے اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے۔

اور نہ ہی ان لوگوں کے قول کی نقالی کرو جن کے متعلق فرمایا:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ﴾[56]

ترجمہ: اور کافر کہنے لگے کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو۔ اور (جب پڑھنے لگیں تو) شور مچایا کرو۔

محاورہ ہے ولّاہ دُبرہ یعنی ہزیمت کھا کر بھاگ جانا۔

قرآن میں ہے:

54۔[الأنفال: 20]

55۔[نوح: 7]

56۔[فصلت: 26]

﴿وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ﴾(57)

ترجمہ: اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

﴿وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ﴾(58)

ترجمہ: اور جو شخص جنگ کے روز ان سے پیٹھ پھیرے گا۔

اور آیت کریمہ:

﴿فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا﴾(59)

ترجمہ: مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما۔

میں ولی سے ایسا لڑکا مراد ہے جو اولیاء اللہ سے ہو۔ اور آیت:

﴿خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي﴾(60)

ترجمہ: اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں۔

میں بعض نے کہا ہے کہ موالی سے عم زاد بھائی مراد ہیں۔ اور بعض نے دور کے رشتہ دار مراد کئے ہیں اور آیت کریمہ:

57۔[آل عمران:111]

58۔[الأنفال:16]

59۔[مریم:5]

60۔[مریم:5]

﴿وَلَمۡ يَكُن لَّهُۥ وَلِيّٞ مِّنَ ٱلذُّلِّ﴾[61]

ترجمہ: اور نہ اس کی وجہ سے کہ وہ عاجز وناتواں ہے کوئی اس کا مددگار ہے۔

میں مطلق ولی کی نفی نہیں ہے بلکہ **ولی من الذل** کی نفی ہے یعنی اس وجہ سے کہ وہ عاجز وناتواں ہے اس کا کوئی ولی نہیں ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ کے سب نیک بندے اس کے اولیاء میں سے ہیں لیکن وہ اولیاء من الذل نہیں ہیں کہ کسی پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو ان سے امداد کی ضرورت ہو۔ قرآن میں ہے:

﴿وَمَن يُضۡلِلۡ فَلَن تَجِدَ لَهُۥ وَلِيّٗا مُّرۡشِدٗا﴾[62]

ترجمہ: اور جس کو گمراہ کرے تو تم اس کے لیے کوئی دوست راہ بتانے والا نہ پاؤ گے۔

وَلِيٌّ: (ایضاً) وہ بارش جو رسمی یعنی موسم بہار کی پہلی بارش کے بعد متصل برسے اسے **وَلِيٌّ** کہا جاتا ہے۔

المولی۔۔ کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ "غلام کو آزاد کرانے والا"، "آزاد شدہ غلام"، "حلیف"، "عم زاد بھائی"، "پڑوسی"۔

اور ہر شخص جو دوسرے کے معاملہ کا ولی ہو وہ بھی اس کا "**مولا**" کہلاتا ہے:

61۔[الإسراء: 111]

62۔[الکھف: 17]

فلان أولی بکذا۔۔۔فلاں اس کا زیادہ حق دار ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾[63]

ترجمہ: پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔

﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ﴾[64]

ترجمہ: ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں۔

﴿فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا﴾[65]

ترجمہ: توخدا ان کا خیر خواہ ہے۔

﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ﴾[66]

ترجمہ: اور رشتہ دار آپس میں زیادہ حق دار ہیں۔

﴿أَوْلَى لَكَ فَأَوْلَى﴾[67]

63۔[الأحزاب:6]

64۔[آل عمران:68]

65۔[النساء:135]

66۔[الأنفال:75]

67۔[القیامۃ:34]

ترجمہ: افسوس ہے تم پر پھر افسوس ہے۔

میں بھی اولی اسی محاورہ سے ماخوذ ہے۔اور أَوْلَى لَكَ فَأَوْلَى دونوں طرح بولا جاتا ہے۔اور معنی یہ ہیں کہ عذاب تیرے لیے اولی ہے یعنی تو عذاب کا زیادہ سزاوار ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ فعل متعدی بمعنی قرب کے ہے۔اور بعض نے کہا ہے کہ اولی بمعنی اُنزُجِر سے یعنی اب بھی باز آجا۔

ولی الشیء الشیء۔۔۔دوسری چیز کا پہلی چیز کے بعد بلا فصل ہونا۔

أولیتُ الشیءَ الشیء۔۔۔دوسری چیز کو پہلی چیز کے اتھ ملانا۔

الوَلاءُ۔۔۔میراث جو آزاد کردہ غلام سے حاصل ہوتی ہے اور احادیث میں ولاء کی بیع اور اس کے ہبہ سے منع کیا گیا ہے۔

المَوالاۃ۔۔۔کے معنی متابعت کے ہیں یعنی متابعت کے ہیں یعنی اشیاء کا یکے بعد دیگرے واقع ہونا۔(68)

انگریزی زبان میں ولی کے (بطور فعل) معنی یوں بیان ہوتے ہیں:

Be close to, stand immediately by, be neighbouring follow close to, confine with, deepend, appertain, be afriend, assistanct, helper.(69)

اور ولایۃ کے معنی یوں بیان ہوئے ہیں:

68۔ (مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی)

69۔ (Arabic English Dictionary)

Be placed at the head of, govern, administer, wet continuously.

اور اسی مادہ کے لفظ موالۃ کے معنی ہیں:

Continue without interuphon, be constant, carry on two things at the same time, be friend, be an assistant to, help, protect, make a convenient with.

ولی (بطور اسم) یہ معنی رکھتا ہے:

Nearness, proximity, contiguity, friendship.

ولیا سے مراد:

Near, close, neighbouring, contiguous, adjacent.

اولیاء کے معنی ہیں:

Relative, neighbor, friend, beloved one, helper, protector, Benefactor, Patron, Master who administers, Favourite (with God, anith a prince); prophet saint. (Arabic-English Dictionary by F.Steingass)

معجم الفقہاء میں ولی کی تعریف یوں ہے[70]:

کوئی بھی شخص جو کسی کام کے کرنے پر ذمہ دار ہو یا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہو۔ چاہے عورت ہو یا مرد۔ انگریزی میں اس کو Guardian کہتے ہیں،

ورثۃ القتیل — The aenger of blood

70۔ معجم الفقہاء (عربی-انگلیزی)

Blood heir		ولی الدم
Guardian of an infant	باپ یا داد	ولی القاصر
Supporter	مددگار	النصیر
Friend, intimate	دوست یا عزیز	المحب والصدیق

ولی کے اصطلاحی معنی

زواج کے معاملہ میں اسلام میں ولی کی حیثیت عملی اعتبار سے محض ایک شخص یا کسی مخصوص شخص کی نہیں بلکہ یہ ایک مکمل ادارے (institution) کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی فقہاء نے اپنے اپنے نکتہ نظر سے اس کی اقسام، مراتب، اغراض ومقاصد، اختیارات کی حدود وقیود Limitation، اختیارات کواستعمال کرنے کا طریقہ، اور اختیار کے استعمال کی صورتیں جب ولی اور مولی علیہا کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہو وغیرہ کو بیان فرمایا ہے۔

جہاں تک اس کی اصطلاحی تعریف کا تعلق ہے تو وہ قرآن وحدیث میں اس اعتبار سے نہیں ملتی کہ جس کو سامنے رکھ کر ولی سے متعلق تمام اصول وضع کیے جاسکیں۔ ہاں البتہ قرآن وحدیث اور فقہ کی کتابوں میں جو ولی کے اختیارات دیئے گئے ہیں ان کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ہم اس باب میں اس کی اصطلاحی معنی بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

ہماری دانست میں ولی کی مندرجہ ذیل تعریف کی جاسکتی ہے:

”نکاح میں لڑکی کا وہ قریب ترین عاقل بالغ مسلمان رشتہ دار یا حاکم یا قاضی جس کو بلحاظ شرع عاقلہ بالغہ باکرہ لڑکی کے اذن سے اس کا نکاح کرانے کا اختیار ہو ”ولی“ کہلاتا ہے۔ نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے اذن کے بغیر جائز ہے جو کہ بالغ ہونے پر لڑکی کے اذن پر موقوف ہوتا ہے۔“

ولایت کی اقسام

نکاح میں ولی کے حق کو استعمال کرنے کو "ولایت" کہا جاتا ہے۔ فقہاء نے ولایت کو مندرجہ ذیل تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

1- ولایت استحباب (ولایۃ الاستحباب)

2- ولایت اشتراک (ولایۃ الشرکۃ)

3- ولایت اجبار (ولایۃ الاجبار)

1- ولایت استحباب:

ولایۃ الاستحباب میں ولی مولی علیہا کی شادی اس کی رضامندی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مولی علیہا کا اپنی مرضی کے ساتھ ولی کی اجازت کے بغیر کسی کے ساتھ نکاح کرنے کا حق ثابت یا قائم رہتا ہے۔ یعنی اس میں ولی کی اجازت ضروری نہیں ہوتی۔ بلکہ مستحب ہوتی ہے۔ یعنی اگر ولی کی اجازت نکاح میں شامل ہو تو احسن ہے۔ لیکن اس کے بغیر بھی نکاح ہو جاتا ہے۔

- **ولایت الاستحباب کا اطلاق:**

ولایت الاستحباب کا تصور صرف احناف کے ہاں اور شیعہ فقہ میں ہے۔ اس کا اطلاق عاقلہ بالغہ عورت پر ہوتا ہے۔ ان میں کنواری یا ثیبہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یعنی مندرجہ بالا عورت اپنا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر کر سکتی ہے۔ لیکن ولی سے اجازت لینا مستحب واحسن ہے۔ اس ضمن میں بعض علماء نے عاقلہ و بالغہ کے ساتھ راشدہ کی شرط بھی لگائی ہے۔

2- ولایۃ الشرکۃ:

ولایۃ الشرکۃ میں ولی مولی علیہا دونوں کا اتفاق ضروری ہوتا ہے۔ یعنی دونوں کی ولایت میں شراکت ہوتی ہے۔ لیکن عقد نکاح کے انعقاد کا حق صرف ولی کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ ولایۃ الشرکۃ کے تصور کے حامل فقہاء کے نزدیک نکاح عورتوں کی عبارت سے نہیں ہوتا۔

- **ولایۃ الشرکۃ کا اطلاق:**

ولایۃ الشرکۃ کا تصور صرف احناف کے علاوہ دیگر تمام مذاہب شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ میں ہے۔ جمہور کے نزدیک ولایۃ الشرکۃ کا اطلاق عاقلہ بالغہ ثیبہ (مطلقہ یا بیوہ) پر ہوتا ہے ان اصحاب کے نزدیک صحت نکاح کے لیے ولایۃ الشرکۃ شرط ہے۔

- **ولایۃ الشرکۃ کا اثبات:**

ولایۃ الشرکۃ کا اثبات عصبات پر ہوتا ہے اور ان کی ترتیب وہی ہے جو میراث میں ہے۔ لیکن ائمہ میں ان کی ترتیب اور ترجیح میں کچھ اختلاف ہے۔ یعنی کسی ولی کی غربت زیادہ ہے اور کسی کو دوسرے پر ترجیح دی جائے گی۔

- **مالکیہ کی ترتیب وترجیح:**

بیٹا--- باپ--- بھائی--- بھائی کی اولاد--- دادا--- چچا--- چچا کی اولاد۔

حنابلہ کی ترتیب وترجیح:

باپ--- دادا--- بیٹا--- بھائی--- بھائی کی اولاد--- چچا--- چچا کی اولاد۔

شافعیہ کی ترتیب وترجیح:

باپ--- دادا--- بیٹا--- بھائی--- بھائی کی اولاد۔

مندرجہ بالا ترتیب کے مطابق جو ولی پہلے ہے اسے بعد والے پر ترجیح دی جائے گی۔

3- ولایۃ الاجبار:

ولایۃ الاجبار سے مراد ولی کا وہ حق ولایت ہے جس میں ولی مولی علیہا کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے چاہے وہ عاقلہ بالغہ ہو۔

- **ولایۃ الاجبار کا اطلاق:**

- **احناف کی رائے:**

احناف کے نزدیک ولایۃ الاجبار کا اطلاق صرف "قاصر" یا "قاصرہ" پر ہوتا ہے۔ اور قاصر یا قاصرہ سے مراد ایسا لڑکا یا لڑکی ہے جو کہ نابالغ یا صغر سن ہو یا ہمہ وقت پاگل ہو جسے انگریزی میں incompetent کہہ سکتے ہیں۔

- **شافعیہ کی رائے:**

شافعیہ کے نزدیک ولایۃ الاجبار کا اطلاق قاصر اور قاصرہ کے علاوہ عاقلہ، بالغہ، باکرہ عورت پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ:

1- ولی باپ یا دادا ہو۔

2- ہو ولی عادل ہو یعنی کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو۔

3- ولی اور مولی علیہا کے درمیان ناپسندیدگی یا دشمنی نہ ہو۔

4- ولی کفو میں نکاح کرائے۔

5- مہر مثل مقرر کیا جائے۔

- **مالکیہ کی رائے:**

مالکیہ کی رائے شافعیہ کی رائے کے مطابق ہے۔ لیکن ان کی رائے میں اگر عاقلہ، بالغہ، باکرہ عورت "عانسہ" ہو تو اس کی رضامندی ضروری ہے۔

عانسہ سے مراد بڑی عمر تک کنواری رہنا ہے۔

- **ولایۃ الاجبار کا اثبات:**

- **مالکیہ اور حنابلہ کی رائے:**

ان دونوں کے نزدیک ولایۃ الاجبار کا اثبات صرف باپ پر ہوتا ہے اور کسی پر نہیں ہوتا یعنی مولی علیہا کی مرضی کے خلاف نکاح کرنے کا حق صرف باپ کو ہے اور کسی ولی کو نہیں۔

- **شافعیہ کی رائے:**

شافعیہ کے نزدیک اس کا اثبات باپ کے ساتھ ساتھ دادا پر بھی ہوتا ہے۔

حنفیہؒ کی رائے:

حنفیہؒ جو کہ ولایت اجبار کا اطلاق صرف قاصر اور قاصرہ کے حد تک کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس کا اثبات تمام عصبات پر ہوتا ہے لیکن ترتیب وترجیح کے ساتھ۔ قریب کو بعید پر ترجیح دی جائے گی۔

1- بیٹا۔۔۔پوتا۔۔۔پڑپوتا نیچے تک

2- باپ۔۔۔دادا۔۔۔پڑدادا اوپر تک

3- بھائی۔۔۔باپ۔۔۔شریک بھائی۔۔۔بھائی کا بیٹا

4- چچا۔۔۔باپ شریک چچا۔۔۔چچا کا بیٹا

اس ضمن میں امام ابو حنیفہ کی رائے یہی ہے کہ مرد ولی کی عدم موجودگی میں ولایت عورتوں پر منتقل ہو جائے گی اس کے بعد امام یا سلطان کی طرف جائے گی۔ اور ولایت النساء کی ترتیب یہ ہے۔

1- ماں۔۔۔دادی۔۔۔نانی

2- بیٹی۔۔۔پوتی۔۔۔نواسی۔۔۔پوتے کی بیٹی۔۔۔نواسی کی بیٹی

3- سگی بہن۔۔اخیافی بہن۔۔علاتی بہن۔۔پھر اس ترتیب سے ان کی اولاد

4- پھوپھی۔۔۔خالہ۔۔۔پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد۔

- **ولایت کے اثبات کی شرائط:**

چاہے ولایت استحباب ہو شراکت ہو یا اجبار ائمہ کے اس کے ثابت ہونے کی مندرجہ ذیل شروط وضع کی ہیں:

1- مولی علیہا اور ولی کا دین ایک ہو۔

2- شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ضروری ہے کہ ولی عادل ہو اور وہ حضور ﷺ کی اس حدیث سے یہ رائے قائم کرتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ لا نکاح إلا بولی مرشد وشاہدی عدل

(ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا راشد ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔)

لیکن حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ولی کا عادل ہونا ضروری نہیں۔

خلاصہ

- ولی کا مادہ (و-ل-ی) ہے اس کے لغوی معنی قریب ہونا، کسی کی حفاظت کرنا، حکمرانی کرنا، سرپرست، محسن، حمایتی، دوست، رشتہ دار وغیرہ ہیں۔
- یہ لفظ قرآن میں متعدد بار متذکرہ بالا معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
- نکاح میں لڑکی کا وہ قریب ترین عاقل، بالغ، مسلمان رشتہ یا حاکم یا قاضی جس کو بلحاظ احکام شرع عاقلہ، بالغہ، باکرہ لڑکی کے اذن سے اس کا نکاح کرانے کا اختیار ہو وہی کہلاتا ہے۔
- نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے اذن کے بغیر جائز ہے جو کہ بالغ ہونے پر لڑکی کے اذن پر موقوف ہوتا ہے۔
- ائمہ میں ولی کے اختیارات سے متعلق اور ان اختیارات کے طریقہ استعمال اور اس کے اثرات سے متعلق معاملات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (اس کی تفصیل اس کتاب کے آئندہ حصوں میں ہے۔)
- ولایت کی تین اقسام ہیں:
  - ولایت استحباب (ولایۃ الاستحباب)
  - ولایت اشتراک (ولایۃ الشرکۃ)
  - ولایت اجبار (ولایۃ الاجبار)

ولی کے اختیارات نابالغ کے حق میں

نکاح میں ولی کے اختیار فقہ میں ایک مستقل بحث کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ولایت کی تعریف کے ضمن میں ہم دیکھتے چلے آئے ہیں کہ اس کی تقسیم اور ہر قسم میں اس کے اختیارات کے طریقہ کار میں ائمہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ میں بحث ملتی ہے جس کو ہم کتاب کے اس حصہ میں بیان کریں گے۔

اس بحث کو ہم مولی علیہا یعنی وہ لڑکی جس کا نکاح ہو رہا ہے اس کی عمر کے اعتبار سے بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ یہ اس بحث کو حل کرنے اور سمجھنے کے یے ایک اہم زاویہ ہے۔

خواتین کی تقسیم بلحاظ عمر:

خیار بلوغ، نکاح نابالغان اور اس سے منسلکہ بحثوں میں ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اس بحث کو مزید آگے بڑھانے اور کتاب کے موضوع سے مماثلت پیدا کرنے اور مسئلہ کو صحیح سمجھانے کے لیے فقہاء اسلام نے عورت کی بلحاظ عمر جو تقسیم کی ہے یا بلحاظ اوصاف جسمانی یا ازدواجی جو تقسیم کی ہے وہ پہلے بیان کر دی جائے۔

1۔ باکرہ 2۔ ثیبہ 3۔ غیر باکرہ وغیر ثیبہ

بلحاظ عمر کے عورتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1۔ نابالغ 2۔ بالغ

اب ان دونوں اقسام کو اگر ملا کر دیکھا جائے تو عورتوں کی مندرجہ ذیل اقسام گنی جاسکتی ہیں:

اقسام نابالغان:

1- باکرہ نابالغہ

2- غیر باکرہ نابالغہ

3- ثیبہ نابالغہ

اقسام بالغان:

1- باکرہ بالگہ

2- غیر باکرہ بالغہ

3- ثیبہ بالغہ

4- ایمہ بالغہ

5- عانسہ بالغہ

6- عاقلہ بالغہ راشدہ

ان اقسام کی تفصیل بیان کرنے سے قبل ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ بلوغت کی تعریف لغوی، اصطلاحی اور فقہی طور پر کردی جائے تاکہ بعد کی بحث آسان ہوجائے۔ گو کتب فقہ میں بلوغت کا موضوع بھی ایک باقاعدہ اہمیت اور تفصیل کا حامل ہے لیکن کیونکہ اس کی ضمنی بحثوں سے ہم اصل موضوع سے دور ہوجائیں گے۔ لہٰذا یہاں پر مختصر اور جامع تعریف بیان کی جائے گی۔ یعنی وہ تعریف جس پر جمہور کا اتفاق معلوم ہوتا ہے۔ بلوغت سے متعلق تفصیلات فقہ کی کتب میں موجود ہیں اور مزید ذیلی تفاصیل کے لیے ان سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ نابالغ کی تعریف میں کیونکہ لڑکے اور لڑکی کو یکسان بیان کیا گیا ہے لہٰذا بلوغت کی مختصر تعریف میں ہم لڑکے کو بھی شامل کردیا ہے۔ اور کیونکہ نکاح

کے معاملہ میں نابالغ لڑکے پر بھی اس کو ولی کی ولایت اجباری حاصل ہے لہٰذا لڑکے کو اس تعریف میں شامل کرنا بے محل بھی نہیں ہے۔

بلوغت کی تعریف:

لڑکے کے بالغ ہونے کی پہچان یہ ہے کہ اسے احتلام ہو جائے یا وہ اپنی بیوی کو حاملہ کردے یا پھر اسے انزال ہو جائے۔ لڑکی کے بالغ ہونے کی پہچان یہ ہے کہ اسے حیض آجائے یا اسے احتلام ہو جائے یا پھر وہ حاملہ ہو جائے۔ اگر ان میں سے کوئی صورت پیدا نہ ہو تو پھر ان کے بلوغ کا اعتبار ان کی عمر سے ہوگا۔

البتہ بالغ ہونے کے لیے کم از کم عمر کے بارے میں عمر کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ لڑکے کے لیے اٹھارہ سال اور لڑکی کے لیے سترہ سال کی مدت ہے۔ امام ابو یوسف، محمد اور شافعی کہتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکی دونوں کے لیے پندرہ سال ہو۔ امام مالک کے ساتھیوں کا قول ہے کہ یہ مدت سترہ یا اٹھارہ سال ہے۔[71]

بلوغت لغت میں "پہنچنے" کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں بچپن کی مدت کے ختم ہونے کی حد کو کہتے ہیں۔

گو فقہ کتب میں یہ موضوع تفصیل سے زیر بحث لایا گیا ہے لیکن ہم نے اسے یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

71۔ احکام بلوغت

نابالغان کانکاح
(خیار بلوغ)

نابالغانکی شادی یا نکاح کا مسئلہ اسلام میں بالکل واضح ہے کہ نابالغان کا نکاح انکے ولی کر سکتے ہیں اور اس پر سب سے واضح دلیل حضرت عائشہ والی حدیث ہے کہ وہ چھ برس کی تھیں جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انکا نکاح حضور ﷺ سے کر دیا تھا اس مسئلہ میں یہ حدیث نص کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ افعال صحابہ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نابالغان کا نکاح انکے ولی کر سکتے ہیں اور وہ ناجائز ہے۔ لہٰذا اس امر پر ائمہ خمسہ کا اتفاق ہے کہ نابالغ کا نکاح اس کا ولی کر سکتا ہے۔

لیکن جہاں فقہاء میں اس بات پر اتفاق ہے کہ نابالغ کا نکاح اسکا ولی کر سکتا ہے اور صغر سنی کی شادی جائز ہے وہاں یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ یہ فعل مباح ہے۔

نابالغ کا نکاح کرنا فعل مباح ہے۔

صغر سنی کی جائز تو ہے لیکن کوئی امر تاکیدی نہیں وجوب یا فرض کے زمرہ میں یہ بات نہیں آتی یہ ایک مباح فعل ہے اور یہ بھی دین اسلام کا اعجاز ہے کہ اس فعل کو جائز مباح رکھنا ممنوع نہیں کیا۔ کیونکہ اگر محض عقلی دلائل سے اس مسئلہ کو دیکھا جائے تو دو باتیں بطور دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔

اولا: یہ کہ نابالغ کو نکاح کی کوئی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ نکاح کا مقصد طبعی شہوت کی تکمیل اور جائز تولید نسل ہے اور کیونکہ نابالغ کوان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی قدرت نہیں لہٰذا نابالغ کے نکاح کا کوئی جواز نہیں۔

ثانیا: یہ کہ نکاح کے تمام تر احکامات بعد از بلوغ ہی لازم و نافذ ہوتی ہیں لہٰذا نابالغ کے نکاح کی کوئی ضرورت نہیں۔

لیکن کیونکہ یہ مسئلہ ہمہ جہت ہے بالخصوص اسکے مذہبی اور سماجی وماشرتی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتی انسانی زندگی پر کیونکہ کوئی ایک حکم نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ ہر شخص کی زندگی کے مخصوص حالات واقعات ہوتے ہیں اور اللہ تعالی ہمارے لیے آسانی پیدا کرنا چاہتا ہے نہ کہ مشکل، لہٰذا شارع حقیقی نے یہ امر مباح رکھا کہ کسی شخص اور کنبہ کے حالات اگر ایسے ہوں کہ وہ اپنے کسی نابالغ لڑکے یالڑکی کی شادی یا نکاح کسی شخص سے کرنا چاہتا ہے جو کہ ان دونوں کے لیے مفید ہے یعنی جسکا نکاح کیا جارہا ہے اور جس سے نکاح کیا جارہا ہے تو یہ امر اس دین حنیف نے منع نہیں کیا۔ بلکہ انسانی زندگی کے مسائل ومشاکل کومد نظر رکھتے ہوئے اسکو مباح رکھا۔

نکاح کے نفاذاور انعقاد کافرق:

صغر سنی کے نکاح سے متعلق ایک بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ نابالغ کا نکاح اگر اسکا ولی کردے تو وہ منعقد تو ہوجاتا ہے لیکن اسکا نفاذ بالغ ہونے پر ہی ہوتا ہے یعنی بلوغت کی شرط تنفیذ نکاح کے لیے ہے انعقاد نکاح کے لیے نہیں ہے۔

فقہاء کے نزدیک نکاح کی شرائط جواز ونفاذ کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ عقد نکاح کرنے والا عاقل وبالغ ہو۔ ایسا نکاح جوکہ نابالغی میں کیا گیا ہو اس وقت تک نافذ العمل نہیں ہوگا جب تک وہ خود (جسکا نکاح ہوا ہے) اس کی تصریح اجازت قول یا فعل سے نہ دے دے۔ [72]

72۔ بدائع الصنائع از امام الکاسانی، ج 3، ص۔۔

خیار بلوغ:

جس شخص کا نکاح کم عمری میں جب کہ وہ نا بالغ ہو اسکے ولی نے کردیا ہو اس کو بالغ ہونے پر ایسے نکاح کو قائم رکھنے یا ختم کرنے کا حق "خیار بلوغ" کہلاتا ہے۔

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ نابالغ کا نکاح منعقد تو ہو جاتا ہے لیکن نافذ نہیں ہوتا اور اس نکاح کو نافذ کرنے کا اختیار بلوغت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ اختیار دو طریقوں سے ختم یا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اولا صراحت سے ثانیا قرائن سے۔

اولا: صراحت کے ساتھ اس حق استعمال کرنے کی یہ مثال ہے کہ لڑکی بالغ ہونے پر واضح اور صریح الفاظ سے یہ کہے کہ میں اس نکاح کو پسند کرتی ہوں یا میں اس نکاح پر راضی ہوں یا اس ہی قسم کے دیگر الفاظ جن سے لڑکی اپنی پسندیدگی یا رضامندی کا اظہار کرے۔

ثانیا: یہ کہ اسکو اس نکاح کا علم ہو اور وہ اس پر خاموش رہے یا کسی بھی طرح اشاروں اور کنایوں میں اس نکاح پر نہ پسندیدگی یا غیر رضامندی کا اظہار نہ کرے۔

اس میں ایک بات جو اہم ہے وہ یہ کہ لڑکا یا لڑکی خیار بلوغ کا حق بالغ ہونے کے بعد جلد از جلد استعمال کریں کیونکہ یہ ہی احسن ہے کہ اس سے مزید مسائل پیدا ہونے سے رک جائیں گے۔

ایک اور مسئلہ اس ہی سلسلہ میں وضاحت طلب ہے وہ یہ کہ اگر لڑکے یا لڑکی کو ایسے نکاح کا علم ہے جو کہ اسکی نابالغی کے وقت اسکے ولی نے کردیا تو پھر وہ نابالغ ہونے پر خیار بلوغ کا حق استعمال کرنے میں جلدی کریں گے لیکن اگر ان کو اسکا علم ہی نہ تھا اور بالغ ہونے کے کچھ دیر بعد یا زیادہ دیر بعد معلوم ہوا تو انکا یہ حق تاخیر کی وجہ سے ختم نہیں ہوجائیگا بلکہ

اس وقت شروع ہو گا جب ان کو نکاح کا علم ہوا۔[73]

امام السرخسیؒ نے اپنی کتاب المبسوط میں حضرت ابن عمر کی ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے جس میں قدامہ بن مظعون نے اپنی بھتیجی حضرت عثمان بن مظعون کی صاحبزادی کا نکاح حضرت ابن عمر سے کردیا تھا امام السرخسی [74] کی تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکی بوقت نکاح نابالغہ تھی اور لڑکی نے بعد بلوغ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نکاح سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ یہ حدیث بیہقی میں ان الفاظ سے روایت کی گئی ہے:

حدیث:

عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: تُوُفِّيَ عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُونٍ، وَتَرَكَ ابْنَةً لَهُ مِنْ خُوَيْلَةَ بِنْتِ حَكِيمِ بْنِ أُمَيَّةَ بْنِ حَارِثَةَ بْنِ الْأَوْقَصِ، قَالَ: وَأَوْصَى إِلَى أَخِيهِ قُدَامَةَ بْنِ مَظْعُونٍ، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: وَهُمَا خَالَايَ، قَالَ: فَخَطَبْتُ إِلَى قُدَامَةَ بْنِ مَظْعُونٍ, ابْنَةَ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ، فَزَوَّجَنِيهَا، وَدَخَلَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ، يَعْنِي: إِلَى أُمِّهَا، فَأَرْغَبَهَا فِي الْمَالِ، فَحَطَّتْ إِلَيْهِ، وَحَطَّتِ الْجَارِيَةُ إِلَى هَوَى أُمِّهَا، فَأَبَيَا، حَتَّى ارْتَفَعَ أَمْرُهُمَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ قُدَامَةُ بْنُ مَظْعُونٍ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ابْنَةُ أَخِي، أَوْصَى بِهَا إِلَيَّ،

73۔ بدائع الصنائع، ج2، ص۔۔

74۔ المبسوط:

فَزَوَّجْتُهَا ابْنَ عَمَّتِهَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ، فَلَمْ أُقَصِّرْ بِهَا فِي الصَّلَاحِ وَلَا فِي الْكَفَاءَةِ، وَلَكِنَّهَا امْرَأَةٌ، وَإِنَّمَا حَطَّتْ إِلَى هَوَى أُمِّهَا، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " هِيَ يَتِيمَةٌ، وَلَا تُنْكَحُ إِلَّا بِإِذْنِهَا "، قَالَ: فَانْتُزِعَتْ وَاللَّهِ مِنِّي بَعْدَ أَنْ مَلَكْتُهَا، فَزَوَّجُوهَا الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ.[75]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت عثمان بن مظعون فوت ہوگئے اور حضرت خولہ سے ایک بچی چھوڑی اور اس کے بارے میں اپنے بھائی قدامہ بن مظعون کو وصیت کر گئے (یہ دونوں میرے ماموں تھے) میں حضرت عثمان بن مظعون کی لڑکی سے نکاح کی درخواست حضرت قدامہ کے پاس لے کر گیا۔ انہوں نے اس سے میرا نکاح کرادیا۔ مغیرہ بن شعبہ نے اس کی ماں کے پاس جا کر اسے اپنی طرف مائل کرلیااور ماں بیٹی دونوں اس کی طرف مائل ہو گئیں آخر دونوں نے انکار کر دیا۔ یہ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا حضرت قدامہ نے عرض کی یارسول اللہ وہ میری بھتیجی ہے اور اس کے بارے میں حضرت عثمان مجھے وصیت کر گئے تھے میں نے اس کا اس کی پھوپھی کے بیٹے سے نکاح کر دیا۔ میں نے اس

75۔ مسند احمد، حدیث نمبر: 5969

کی بھلائی اور کفو میں کمی نہیں کی۔ لیکن وہ عورت ذات ہے اور وہ عورت ذات ہے اور اپنی ماں کی خواہش کی طرف مائل ہو گئی ہے۔ فرمایا وہ یتیم ہے اس کی اجازت (اذن) کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی قسم وہ مجھ سے الگ ہو گئی جب کہ میں اس کا مالک ہو گیا تھا اور لوگوں نے اس کا نکاح مغیرہ سے کر دیا۔

نابالغان کا نکاح اور ولایت

ولی کا مسئلہ جو کہ در حقیقت بالکل واضح ہے لیکن مغرب زدہ اذہان کے بلا جواز پیدا کردہ الجھاؤ سے یہ مسئلہ فی زمانہ مزید وضاحت طلب ہوگیا۔ در حقیقت ولایت نکاح کا جواز اور اس کا سبب نابالغان لڑکے اور لڑکیوں کی شادی ہے۔ کیونکہ اسلام میں صغر سنی یا کم عمری میں عقد نکاح جائز ہے اور عرب کا دستور بھی یہی تھا کہ وہ لوگ اپنی لڑکیوں کے بالخصوص لڑکوں کی بالعموم شادی کم عمری میں ہی طے کر دیا کرتے تھے لہٰذا دین حق اسلام نے اس کو مباح فعل قرار دینے کے ساتھ ساتھ نابالغان کے حقوق اور دائرہ کار واضح تعین بھی کر دیا ہے تاکہ آنے والے زمانہ تک اس میں کوئی ابہام باقی نہ رہ جائے نیز رشتہ داروں اور کنبہ میں اس وجہ سے کوئی بدمزگی ناراضگی اور کھچاؤ بھی پیدا نہ ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بالغ کے حقوق کی زیادہ سے زیادہ حفاظت کی جاسکے اور نابالغ کے حقوق کی حفاظت کے لیے فقہاء نے اولیاء جن کو نابالغ کی سرپرستی کا حق حاصل ہوسکتا ہے ان کے متعلق واضح شرائط بھی متعین کر دی ہیں:

1- سرپرست کا عاقل بالغ ہونا ضروری ہے لہٰذا پاگل اور نابالغ کسی کے سرپرست نہیں ہوسکتے۔

2- سرپرست کا ان لوگوں میں سے ہونا ضروری جو وارث بن سکتے ہوں۔

3- مرتد کسی کا سرپرست چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم نہیں بن سکتا۔

4- کافر مسلمان کا سرپرست نہیں بن سکتا۔

5- سرپرست کا عقلمند ہونا، پاگل، بیوقوف اور نشے میں مبتلا شخص کی طرف سے نکاح کرانا درست نہیں ہوگا۔

6- سرپرست کا آزاد ہونا۔

7- سرپرست کا مرد ہونا۔

8- ایک شرط اس ضمن میں سب سے اہم ہے وہ یہ کہ زبردستی نہ کرنا لہٰذا زبردستی کرایا گیا نکاح نہیں ہوگا۔

9- امام شافعی فرماتے ہیں کہ باپ کا اپنی کنواری بیٹی کا نکاح اس صورت میں جائز ہے جب کہ اس نکاح سے اس لڑکی کو فائدہ پہنچتا ہو اور کسی قسم کے نقصان سے وہ دوچار نہ ہورہی ہو اور یہی حکم چھوٹے "نابالغ" لڑکے کے لیے بھی ہے۔(76)

10- کسی سرپرست کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی لڑکی کا نکاح غیر ہم پلہ (غیر کفو) شخص سے اس کی رضامندی اور دیگر تمام سرپرستوں کی رضامندی کے بغیر کرادے۔

11- اگر باپ نے کنواری لڑکی کی شادی غیر ہم پلہ شخص سے کرادی، خود اس لڑکی کی اجازت کے بغیر تو یہ نکاح باطل ہے چاہے وہ لڑکی چھوٹی ہو یا بالغ ہو۔ نابالغ لڑکی کی صورت میں لڑکی کو خیار بلوغ ہوگا اور بالغ اس نکاح کو کالعدم قرار دے سکتی ہے۔(77)

12- سرپرست کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کسی معذور یا اپاہج شخص سے کردے۔

13- اگر سرپرست اور نابالغ لڑکی میں کوئی دشمنی پائی جاتی ہو تو سرپرست کا یہ حق ختم ہوجاتا ہے کہ وہ مولی علیہ کا نکاح کراسکے۔

76۔ کتاب الام۔ جلد 5/احکام بلوعنت

77۔ مغنی المحتاج۔ جلد 3

14- سرپرست پر لازم ہے کہ وہ لڑکی کا نکاح کرانے سے پہلے اس سے اجازت ہے۔ اس مقصد کے لیے لڑکی کی ماں سب سے زیادہ قابل اعتماد اور قابل بھروسہ ذات ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

-حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، حَدَّثَنِي الثِّقَةُ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «آمِرُوا النِّسَاءَ فِي بَنَاتِهِنَّ»

(وعن ابن عمر ان النبی ﷺ قال آمرو النساء فی بناتھن)(78)

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں سے ان کی بیٹیوں کے بارے میں مشورہ کرلو۔

15- سرپرست کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی لڑکی کو (بالغ یا نابالغ) کسی نکاح پر مجبور کرے۔ امام مالک کے نزدیک لڑکی کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔(79)

امام ابن قاسم فرماتے ہیں کہ:

78۔ سنن ابی داود (232/2) حدیث نمبر: 2095

79۔ المدونۃ الکبری- جلد 4

”میں امام مالک کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی نے آپ سے کہا کہ اس کی ایک بھانجی ہے۔ جو کنواری اور نا سمجھ بچی ہے۔ اور میں اس کا نکاح کسی ایسے آدمی سے کرانا چاہتے ہوں جو اس کی حفاظت کرے اور اس کی کفالت کر سکے لیکن وہ اس پر تیار نہیں ہے۔ امام مالک نے فرمایا اس کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح نہیں کروایا جاسکتا۔ اس نے کہا وہ تو پاگل ہے اور نا سمجھ بچی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ چاہے وہ پاگل ہی کیوں نہ ہو اس کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح نہیں کرایا جاسکتا۔“

علامہ سحنون فرماتے ہیں کہ:

”میں نے امام ابن القاسم العتقی سے پوچھا کہ اگر کوئی لڑکی ایک کے بعد دوسرے رشتہ کو مسترد کرتی جائے تو کیا اس کے باپ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اسے نکاح کرنے پر مجبور کرے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ امام مالک کے نزدیک اسے نکاح کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔“(80)

اولیاء کی ترتیب حسب ذیل ہے:

1- باپ
2- دادا
3- سگا بھائی
4- علاتی بھائی
5- سگا بھتیجا
6- علاتی بھتیجا

80۔ المدونۃ الکبری۔ جلد 4

7- سگا چچا

8- علاتی چچا

9- سگا چچا اور بھائی

10- علاتی چچازاد بھائی اور اسی طرح دوسرے عصیبات بہ ترتیب وراثت۔

11- وبکر ذوی الارحامک (بترتیب وراثت)

12- حاکم وقت یا قاضی

یہ ترتیب اس لیے ہے کہ قریب تر ولی کی موجودگی میں بعید تر ولی کا حق ولایت معدوم ہو جاتا ہے لیکن اگر قریب تر ولی غیبت مقطعہ ہو تو بعد تر ولی مولی علیہ کا نکاح کر دینے کا مجاز ہو گا۔

نوٹ: اس سب اہتمام اور لزوم کے باوجود نابالغ لڑکے یا لڑکی کو زمانہ نابالغیت میں ولی کے کئے ہوئے نکاح کو بالغ ہو جانے پر رد کر دینے کا اختیار جو کہ "خیار بلوغ" کہلاتا ہے موجود ہوتا ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

نابالغان میں کون شامل ہے؟!

نکاح نابالغان اور ولی کا حق ولایت اجباری گزشتہ ابواب میں واضح ہو گیا ہے۔ اب ایک اہم بات یہ ہے کہ نابالغان میں کون کون شامل ہیں۔ جس کی وضاحت ہم اس باب میں کریں گے۔ نکاح میں ولایت اجباری کے حوالہ سے مندرجہ ذیل لڑکیاں شامل ہیں:

اولا: باکرہ نابالغہ لڑکی:

باکرہ سے مراد ایسی لڑکی جس کا ازالہ بکارت نہ ہوا ہو یعنی کنواری ہو اور سن بلوغ کو نہ پہنچی ہو۔ باکرہ (یا کنواری) اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ قطعاً مباشرت نہ ہوئی ہو۔

ثانیا: غیر باکرہ نابالغہ:

ایک ایسی نابالغ لڑکی جس کی بکارت اوپر سے کودنے چوٹ لگنے یا پھر مباشرت یا کسی اور وجہ سے زائل ہو گئ ہو۔ اس کو بھی باکرہ قرار دیا جائے گا۔ گو وہ عملا باکرہ نہ ہو گی۔ لیکن اس پر حکم باکرہ کا لگے گا۔ اور یہی معاملہ اس عورت کا ہے جس کی بکارت بدکاری کے سبب زائل ہوئی ہو۔ اور اس پر حد زنا نہ لگی ہو اس کو بھی باکرہ کے حکم میں شامل کیا جائے گا۔

ثالثا: ثیبہ:

عربی زبان میں ثیبہ ایسی عورت کو کہتے ہیں جو کہ شوہر دیدہ ہو لیکن اس کا شوہر بسبب طلاق یا بیوگی موجود نہ ہو۔

لہٰذا مطلقہ یا بیوہ عورت کو ثیب یا ثیبہ کہا جاتا ہے۔ ایسی عورت جو کہ بدکاری کی مرتکب ہوئی ہو اور اس پر حد زنا بھی لگ چکی ہو وہ ثیبہ کے حکم میں آتی ہے۔ اور متذکرہ تقسیم کی روسی ایسی لڑکی اگر نابالغ ہے تو وہ اسی نوع میں آئے گی۔

اگر نابالغ لڑکی ہونے سے پہلے ہی بیوہ ہو جائے یعنی اس کا باقاعدہ نکاح ہو کر طلاق ہو جائے اور بالغ ہونے سے پہلے پھر اس کی شادی کی جائے تو ولی کنواری نابالغ لڑکی ہی کی طرح اسے مجبور کرکے کسی سے شادی کر سکتا ہے۔ یہی حکم اس لڑکی (ثیبہ) کا ہے جو کہ نابالغی میں بیوہ ہو جائے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ نابالغ لڑکی جو کہ اصلا کنواری باکرہ ہو یا کہ اصلا کنواری نہ ہو لیکن حکما کنواری باکرہ ہو جیسے کسی کی بکارت بسبب چوٹ وغیرہ یا بدکاری زائل ہو گئی ہو، یا شوہر دیدہ ثیبہ ہو یعنی مطلقہ یا بیوہ لیکن بلوغت کی عمر کو نہ پہنچی ہو سب پر ان کے ولی مجبر یعنی باپ کو ولایت اجباری یا ولایۃ الاجبار استعمال کرنے کا حق ہے۔ یعنی ان کی مرضی کے خلاف یا ان کی رائے لیے بغیر بلحاظ احکام شروع شادی یا نکاح کرا سکتے ہیں۔ بلحاظ شرع سے مراد کہ ولی نابالغ کا نکاح کرائے اور ان تمام شرعی شروط ولزوم کا پاس رکھے جو کہ شریعت نے لڑکی کے حقوق کی حفاظت کے ضمن میں عائد کئے یہں جن کی تفصیل گزر چکی ہے اور اس کے بعد بھی خیار بلوغ کا حق لڑکی کو باقی رہتا ہے۔ یہ تو صورت ہے نابالغان کی شادی کی۔۔۔ لیکن اس میں ایک استثنائی صورت بھی ہے۔

استثناء:

فقہاء نے اس حکم سے نابالغ یتیم لڑکھن کو مستثنیٰ رکھا ہے۔ اگر نیم بالغ لڑکی کی جان یا مال کو خطرہ ہو یا ضرر کا اندیشہ ہو تو ولی پر واجب ہے کہ عقد نکاح انجام دینے سے پہلے اس بارے میں قاضی/عدالت سے مشورہ/اجازت لے۔ اگر مشورہ/اجازت نہیں لی اور نکاح کر دیا تو تخلیہ ہونے سے پہلے اس نکاح کو فسخ کر دیا جائے گا۔ اس استثناء کی دلیل یہ حدیث ہے:

(تُسْتَأْمَرُ الْيَتِيمَةُ فِي نَفْسِهَا)[81]

ترجمہ: یعنی یتیم لڑکی سے نکاح کی اجازت مانگی جائے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَيْسَ لِلْوَلِيِّ مَعَ الثَّيِّبِ أَمْرٌ، وَالْيَتِيمَةُ تُسْتَأْمَرُ، وَصَمْتُهَا إِقْرَارُهَا»[82]

ابو داؤد اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ بیوہ یا مطلقہ کے معاملہ میں ولی کو اختیار نہیں، یتیم لڑکی سے اجازت لی جائے گی اور اس کی خاموشی اس کا اقرار ہے۔

حدیث سے ثابت ہے کہ بلوغت پر یتیمی ختم ہو جاتی ہے لہٰذا احادیث میں یتیم سے اجازت لینے کا واضح اطلاق نابالغ لڑکی پر ہوتا ہے۔ لہٰذا نابالغان کی فہرست میں یتیم ولایت الاجبار سے خارج ہے۔ اور یہ حکم اسلام میں یتامی کے جان ومال کی خصوصی حفاظت پر تاکید کرنے کی دلیل ہے۔

علاوہ یتیم لڑکی کے ہر نابالغ پر ولایت الاجبار ثابت ہے۔

81۔ احمد ونسائی سنن ابی داود (231/2): حدیث نمبر: 2093

82۔ سنن ابی داود (233/2) حدیث نمبر: 2100

ولی کے اختیارات بالغ کے حق میں

جہاں تک نابالغان کا تعلق ہے ان کے معاملہ میں نکاح میں اجباری اختیار ان کے ولی مجبر کے پاس ہونے میں فقہاء میں اصولی طور پر کوئی اختلاف نہیں ہے جس کی بحث گزر چکی ہے لیکن بالغان کے مسئلہ میں چند حالتون میں فقہاء میں ظاہری اختلاف نظر آتا ہے۔ اس باب میں ہم بالغان کے معاملات نکاح میں ولی کے اختیار پر بحث کریں گے۔

بحث کو آسان اور سہل بنانے کی غرض سے ہم نے بالغان کی دو ذیلی تقسیم کر دی ہیں اور اس کی بنیاد بھی فقہاء وائمہ کی آراء واقوال پر رکھی ہے۔ کیونکہ فقہاء کچھ ایسے بالغان یعنی لڑکیوں یا عورتوں کے معاملات میں متفق ہیں کہ انہوں نے اپنے نکاح کرنے کا ولی کی نسبت خود زیادہ اختیار ہے یا یہ کہ وہ ولی کی موجودگی اور اذن کے بغیر بھی نکاح کر سکتی ہیں۔ فقہاء کے اس اتفاق میں وہ فقہاء بھی شامل ہیں جو کہ ولی کو نکاح کی لازمی شرط شمار کرتے ہیں۔ لہذا ہمارے خیال میں اگر ایسی بالغ لڑکیوں یا عورتوں کی تفصیل پہلے بیان کر دی جائے تو مسئلہ اور آسان ہو جائے گا۔

وہ بالغ عورتیں جن کو اپنے نکاح میں متفقہ طور پر ولی سے زیادہ اختیار ہے یعنی وہ اپنی مرضی سے نکاح کر سکتی ہیں مندرجہ ذیل ہیں:

اولا: عاقلہ بالغہ ثیبہ

ثانیا: عاقلہ بالغہ ایمہ

ثالثا: عاقلہ بالغہ عانسہ

رابعا: عاقلہ بالغہ راشدہ

اولا: عاقلہ بالغہ ثیبہ:

"ثیب" ایسی عورت کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ باقاعدہ مباشرت کرنے سے پہلے اس کی بکارت زائل ہو گئی ہو یعنی شوہر دیدہ عورت ہو لیکن بیوہ یا مطلقہ ہو گئی ہو۔ ثیبہ بالغہ اور نابالغہ دونوں ہو سکتی ہیں۔ نابالغہ ثیبہ کا حکم نابالغان کے نکاح کی بحث میں گزر چکا ہے کہ اس پر نابالغہ کی طرح ولی مجبر کو ولایت اجبار حاصل ہے۔ یعنی ولی مجبر نابالغہ ثیبہ لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف کر سکتا ہے بلحاظ شرع۔ رہی بات بالغہ ثیبہ کی تو اس امر پر علماء کا اتفاق ہے کہ بالغہ ثیبہ کا اپنے ولی کی نسبت اپنے اوپر زیادہ حق ہے وہ ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ (83)

اس کی بنیاد مندرجہ ذیل حدیث ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:
«الثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا» (84)

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ثیب (مطلقہ) عورت اپنے نفس کی ولی سے زیادہ حقدار ہے۔

اس حدیث اور ایسی دیگر روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ فقہاء وائمہ یعنی شوافع وحنابلہ جو کہ نکاح میں ولی کی مرضی وموجودگی کو شرط قرار دیتے ہیں ثیب کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ لیکن نابالغ ثیب پر ولایت اجبار ثابت ہے اس سے ایک لطیف نکتہ اس بحث کا

83۔ الفقہ علی المذاہب الأربعة

84۔ رواہ جماعة إلا البخاری ولفظا لمسلم: صحیح مسلم (1037/2): حدیث نمبر: 1421

واضح ہو جاتا ہے کہ عورت کو ولایت اجبار سے خارج کرنے کا سبب اس کے اوصاف جسمانی یا ازدواجع قطعاً نہیں بلکہ اصل بنیاد اس کی عمر اور سمجھ بوجھ ہے۔ کیونکہ اگر ثیب کے حکم کو مطلق مان لیا جائے تو اس کا اطلاق نابالغ ثیبہ پر بھی ہوگا لیکن ایسا نہیں ہے۔ اگر لڑکی کے کنوارپن کو بنیاد بنا لیا جائے کہ اصل مقصود اس کی حفاظت اور ازالہ بکارت کے بعد بیوہ یا مطلقہ ہونے کی صور میں دوسرے نکاح کا اختیار عورت کو خود سونپا جاسکتا ہے تو نابالغ ثیبہ یا کم عمر ثیبہ یعنی کم عمر طلاق یافتہ یا کم عمر بیوہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دینے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ لہٰذا یہ بات واضح ہوئی کہ فقہاء اسلام اور ائمہ کرام کا شریعت کی اس تعبیر وتشریح سے یہ مراد ہے کہ نکاح میں ولی کی موجودگی کا دارومدار عورت کی عمر سمجھ بوجھ اور دانست پر ہے نہ کہ اوصاف جسمانی یا ازدواجی پر۔ کیونکہ عموما بیوہ یا مطلقہ عورت بالغ عمر کی ہوتی ہے اور اسے سمجھ وعقل آچکی ہوتی ہے اور وہ اپنا اچھا برا سمجھ سکتی ہے۔ لہٰذا اس عموم پر ہی حکم صادر کیا گیا ہے اور جو اس کی استثنائی حالت یعنی نابالغہ ثیبہ کی صورت میں ممکن ہو سکتی تھی اس کو استثناء ہی رکھا گیا۔

کچھ لوگوں نے ثیبہ کو اپنے نکاح کا اختیار دینے کا سبب اس کے اوصاف جسمانی یعنی ازالہ بکارت بیان کئے ہیں جو کہ ہماری دانست میں متشدد رائے ہے اور اکابر وائمہ کی تغیر وتشریح اور عمل کے برعکس ہے جس کی وجہ مندرجہ بالہ سطور میں بیان کی جاچکی ہے۔

ثانیا: عاقلہ بالغہ عانسہ:

امام مالک اور امام احمد[85] کے ایک قول کے مطابق اگر باکرہ بالغہ جو کہ عانسہ کی تعریف میں آتی ہو تو اس پر بھی ولایت اجبار ساکت ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کی مرضی کے بغیر یا اس کی مرضی کے خلاف اس کا نکاح نہیں کیا جاسکتا اور عانسہ لڑکی کا باپ نکاح سے پہلے اس

85۔ المغنی/احکام الاسرۃ

سے صریح اجازت لے گا۔

کیونکہ عانسہ باکرہ لڑکی کی ایک استثنائی حالت بیان ہو رہی ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ عانسہ کے معنی اور مفہوم واضح کر دیئے جائیں۔ عربی زبان اتنی وسیع اور جامع ہے کہ اس میں ہر لفظ اپنا ایک مخصوص معنی رکھتا ہے اور ایک نوع کے لیے کئی لفظ ہیں جو کہ اس کی نوع کی ذیلی تقسیم کے حوالہ سے ان کے باہمی فرق کو واضح کرتے ہیں۔

عانسہ کے لغوی معنی:

عانسہ (ع-ن-س) اور عنست کے معنی ہیں لڑکی کا بالغ ہونے کے بعد بغیر شادی کے رہنا۔ یا بڑی عمر تک بغیر شادی کے رہنا۔ انگریزی میں اس کے معنی :

Marriageable girl staying at home, stay a long time unmarried at home, remain a long time unmarried.

کسی بھی لغت میں عانسہ کے لیے عمر یا سن کا تعینی نہیں کیا گیا۔ بشمول لسان العرب۔ لہٰذا لغت میں بیان کردہ لغوی معنی سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ ایک ایسی بالغ لڑکی جو کہ شادی کے قابل ہو اور باکرہ ہو "عانسہ" کہلاتی ہے۔ یعنی جس کی عمومی عمر کا اندازہ بلوغت سے لے کر سن یاس یا تیس چالیس سال کے عمر کے درمیان کہیں بھی کیا جاسکتا ہے۔

یہ تو تھی عانسہ کی لغوی معنی کی بحث۔۔۔اب اس کا اطلاق کس عم کی بالغ عورت پر ہوتا ہے 1 ؟۔۔اس کے لیے ہم نے امام ابو منصور النیسابوری کی رائے سے مدد لی ہے۔ ابو منصور لسانیات کے امام ہیں اور ان کی کتاب فقہ اللغۃ وسر العربیۃ عربی لسانیات میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ امام صاحب نے اپنی اس شہرہ آفاق کتاب میں عربی کے وہ الفاظ جو ایک نوع کی تقسیم سے متعلق اس نوع کی وضاحت کے لیے آتے ہیں جمع کئے ہیں۔ امام صاحب نے بالخصوص عربی زبان میں عورت کی عمر کے حوالہ سے جو مختلف الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں

بیان فرمائے ہیں۔ انہوں نے "فی ترتیب سن المراۃ"[86] کی ایک فصل باندھی ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

الفصل السابع "فی تَرْتِيبِ سِنِّ المَرْأَةِ".
هِيَ طِفْلَة مَا دَامَتْ صَغِيرَةً. ثُمَّ وَلِيدَةٌ إِذَا تَحَرَّكَتْ. ثُمَّ كَاعِب إذا كَعَبَ ثَدْيُهَا. ثُمَّ نَاهِد إذا زَادَ. ثُمَّ مُعْصِر إذا أَدْرَكَتْ. ثُمَّ عَانِس إذا ارْتَفَعَتْ عَنْ حَدِّ الإِعْصَارِ. ثُمَّ خَوْد إذا تَوَسَّطَتِ الشَّبَابَ. ثُمَّ مُسْلِف إذا جَاوَزَت الأَرْبَعِينَ. ثُمَّ نَصَف إذا كَانَتْ بَيْنَ الشَّبَاب والتَّعْجِيزِ. ثُمَّ شَهْلَة كَهْلَة إذا وَجَدَتْ مَسَّ الكِبَرِ وَفِيهَا بَقِيَّة وَجَلَدٌ. ثُمَّ شَهْبَرَة إِذَا عَجَزَتْ وَفِيها تَمَاسُك. ثُمَّ حَيْزَبُون إِذَا صَارَتْ عَالِيَةَ السِّنِّ نَاقِصَةَ القوَّةِ. ثُمَّ قَلْعَم وَلَطْلِطٌ إذا انْحَنَى قَدُّهَا وَسَقَطَتْ أَسْنَانُهَا.[87]

ترجمہ: لڑکی طفلہ کہلاتی ہے جب تک چھوٹی بچی ہو۔ پھر ولیدہ کہلاتی ہے جب چلنا شروع کردے۔ پھر کاعب کہلاتی ہے جب علامات بلوغت ظاہر ہونا شروع ہوجائیں۔ پھر ناہد کہلاتی ہے جب علامات بلوغت بالکل واضح اور نمایاں ہوجائیں۔ پھر معصر کہلاتی ہے جب اس میں سمجھ بوجھ آجائے۔ پھر عانس کہلاتی ہے جب معصر کی حد سے بڑھ جاتی ہے۔ پھر خود کہلاتی ہے جب

86۔ عورت کی عمر کے لحاظ سے ترتیب/کتاب فقہ اللغۃ وسر العربیۃ

87۔ فقہ اللغۃ وسر العربیۃ (79/1)

درمیان شاب کو پہنچتی ہے۔ پھر مسلف کہلاتی ہے جب چالیس
سال سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ پھر نصف کہلاتی ہے جب جوانی اور
بڑھاپے کے درمیان ہوتی ہے۔ پھر شہلہ کہلاتی ہے جب
بڑھاپے کے قریب ہوتی ہے۔ پھر شیعرہ کہلاتی ہے جب بوڑھی
ہو جاتی ہے اور اس میں ٹھہراؤ ہوتا ہے۔ پھر حیزبون کہلاتی ہے
جب بہت زیادہ عمر کو پہنچ جاتی ہے اور۔۔۔ پھر فلعم اور لطط جب
اس کی کمر جھک جائے اور اس کے دانت گر جائیں۔

اس تفصیل سے علوم ہوا کہ لڑکی بالغ ہونے کے بعد ادراک یا سمجھ بوجھ بیدار ہونے کی عمر کا اطلاق عانسہ پر کیا جاتا ہے۔ امام مالک نے عانسہ کے لیے تین برس کا تعین کیا ہے جبکہ امام حنبل نے عمر کی حد کا تعین نہیں کیا۔ الغرض ہر صورت میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نکاح میں لڑکی کے اختیار اور ولایت اجبار کی حدود کا تعلق خالصتاً لڑکی کی عمر اور اس کی عقل و دانش سے ہے۔ نہ کہ کسی اور امر سے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو امام مالک اور امام حنبل عانسہ لڑکی کو جو کہ بالغہ باکرہ ہوتی ہے ولایت اجبار کے دائرہ کار سے خارج قرار کیوں دیتے۔۔؟؟!

عاقلہ بلاغہ رشیدہ[88]:

رشیدہ سے مراد سمجھ بوجھ ہالی لڑکی، لہٰذا بالغہ باکرہ لڑکی جسے اس کے باپ نے رشیدہ یعنی سمجھ بوجھ والی بنادیا ہو باکرہ کے عمومی حکم سے مستثنی ہوگی۔ رشیدہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے باپ نے اس پر واضح کردیا ہو کہ وہ رشیدہ سمجھدار اور خود مختار ہے۔ مثلاً اس سے یہ کہہ دیا ہو کہ میں نے تمہیں خود مختار بنادیا اور اب تمہاری دستگیری سے

88۔ الشرح الصغیر ملخصاً شرح کنز الدقائق

دست بردار ہوتا ہوں یا اب سے نا اہلیت معاملہ کی جو پابندی تھی وہ میں نے ہٹالی اس صورت میں ولایت اجبار سے خارج ہو جائے گی یعنی وہ خود مختار ہو گی اور اسے نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکے گا۔ جب کوئی بالغ کنواری لڑکی زن رشیدہ (خود مختار) بنادی جائے یا اس پر سے "حجر" (نا اہل معاملہ) ہونے کی پابندی ہٹالی جائے تو اس کا معاملہ ثیبہ جیسا ہوگا وہ نکاح کے معاملہ میں خود مختیار ہو گی۔

امام مالک کی رائے ہے اگر کسی کنواری بالغ لڑکی کے باپ نے اس کے حسن تصرفات اور اپنے معاملات کو بہتر طور پر سمجھنے کی بناء پر اسے عقلمند قرار دے کر اس پر سے اپنے معاملات کو آپ چلانے کی پابندی ہتالی ہو تو پھر ہو نکاح میں اس پر زبردستی نہیں کر سکتا۔

رشیدہ کی اصطلاحی تعریف:

جمہور فقہاء حنفیہؒ، مالکیہ اور حنابلہ ایسے شخص کو رشید کہتے ہیں جس میں مال کے معاملہ میں نفع و نقصان کی تمیز ہو اور جو مال کو صحیح طور پر برتنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جو کہ تبذیر اور اسراف کا شکار نہ ہو یعنی مال کے استعمال اور لین دین کے معاملات خوب سمجھتا ہو وغیرہ۔ اور اس کی دلیل قرآنی آیت:

﴿فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ﴾[89]

ترجمہ: جب تم ان میں سمجھ بوجھ (رشد) پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالے کردو۔

89۔ [النساء: 6]

رشد کے بعد حجر یعنی نااہلیت معاملہ ہونے کی پابندی اٹھالی جاتی ہے۔امام شافعی نے راشد کے لیے سمجھدار اور معاملہ فہم ہونے کے ساتھ ساتھ عادل یعنی غیر فاسق ہونے کی شرط بھی عائد کی ہے۔[90]

فقہاء نے راشد یا رشید ہونے کی حد عمر پچیس برس مقرر کی ہے۔امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ:

> جو شخص بالغ ہونے کے بعد بھی اتنا ہوشیار نہ ہو کہ اپنا نفع نقصان پہنچان سکے تو اس کا مال اس کو پچیس برس کے ہونے پر دیا جائے گا۔

پچیس برس کی مدت کی حد حضرت عمر کا ایک قول:

> جب آدمی پچیس برس کا ہو جائے تو اس کی عقل انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔[91]

فقہاء نے انسان کی اہلیت کے ادوار کا تعین بھی فرمایا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

ادوار الاهلية:

انسان ماں کے پیٹ میں اتنی حیات شروع ہونے سے لیکر جوانی تک اپنی اہلیت کے حوالہ سے مندرجہ ذیل پانچ ادوار سے گذرتا ہے[92]:

90۔ (ازالۃ)

91۔ شرح کنزالدقائق

92۔ (ادلۃ فی احکام الشریعۃ)

الدور الاول: دور الجنین:

یہ دور ماں کے پیٹ میں حمل ٹھہرنے سے شروع ہوتا ہے اور وضع حمل تک رہتا ہے۔ اسلام نے انسان کو اس حالت میں بھی کچھ حقوق دیئے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ کوئی ذمہ داری یا اہلیت اس وقت نافذ نہیں ہوتی۔

الدور الثانی: الطفولۃ

یہ دور انسان کی ولادت سے شروع ہوتا ہے اور اچھے برے کی میز پیدا ہونے تک رہتا ہے جس کی حد سات سال مقرر ہے۔ لیکن اس حالت میں بھی اس پر اہلیت وجوب ثابت نہیں ہوتی۔ اور اس کے معاملات ولی کے ذریعے ہوتے ہیں۔

الدور الثالث: التمیز:

یہ دور سات سال سے شروع ہو کر عاقل بالغ ہونے تک رہتا ہے۔ اس دور میں انسان کی اہلیت اداء ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ اس کو اچھے برے کی تمیز اور نفع نقصان کی تمیز نہیں ہوتی ہے اور بدنی عبادات بھی اس پر فرض ہو جاتی ہیں۔ مثلاً نماز روزہ وغیرہ لیکن اس کی خرید وفروخت ولی کی اجازت پر ہی موقوف رہتی ہے۔

الدور الرابع: البلوغ:

یہ دور بالغ ہونے کے بعد رشد کے وقت تک ہوتا ہے۔ اور قرآنی آیات واحادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ بالغ شخص شرعی احکامات کا کلی طور پر مکلّف ہوتا ہے۔ جہاں تک مالی معاملات ہیں تو یہ اہلیت ادا ہے اور وہ اس کو حاصل نہیں ہوتی کیونکہ وہ رشد کو نہیں پہنچا ہوتا۔

الدور الخامس: الرشد

اہلیت کے مراحل کی تکمیل کو "رشد" کہا جاتا ہے یعنی مال میں مکمل تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے اور دنیاوی معاملات میں مکمل اہلیت ووجوب واداء کا ہونا "رشد" کہلاتا ہے۔ فقہاء میں بلوغت کے بعد کی کم سے کم کوئی عمر مقرر نہیں ہے۔ بالغ ہونے کے بعد یا تو کوئی شخص اپنے فعل سے راشد یا رشید بن جاتا ہے یا پھر پچیس سال کی عمر اس کی انتہائی حد ہے۔[93] جو کہ الدر المختار اور بدایۃ المجتہد اور کنز الدقائق وغیرہ میں درج ہے۔ لیکن مختلف ملکوں کے قوانین میں یہ عمر مختلف ہے۔ مثلاً شامیں 18 سال، مصری قانون میں 21 سال اور پاکستان کے قانون میں 18 سال ہے۔

اس بحث سے معلوم تو یہ ہوا کہ جس طرح تصرفات میں رشد کی اہمیت ہے اسی طرح نکاح وزواج کے معاملات میں بھی رشد کو اہمیت حاصل ہے اور ایک کنواری بالغ لڑکی کا باپ بالغ ہونے کے بعد اس کو رشیدہ قرار دے سکتا ہے اور اسی طرح وہ لڑکی حق نکاح از خود استعمال کر سکتی ہے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ نکاح اور ولایت نکاح کے مسئلے میں لڑکی کے اوصاف جسمانی اہمیت کے حامل نہیں بلکہ اس کی عقل سمجھ بوجھ اور عمر کی پختگی اہمیت کی حامل ہے۔

لہٰذا نکاح کے اختیار کے معاملہ میں بھی اگر پچیس سال کو رشد کی حد سمجھتے ہوئے اور اسے بنیاد بنا لیا جائے تو ایسی عاقلہ بالغہ لڑکی جسے بالغ ہونے کے بعد یا تو اس کے باپ نے از خود رشیدہ یا راشدہ قرار دے دیا ہو یا پھر وہ پچیس برس کی ہو گئی ہو تو اسے از خود نکاح کا بلحاظ شرع اختیار ہو سکتا ہے۔

یہ رائے اس بنیاد پر دی جا رہی ہے کہ فقہاء کے نزدیک کوئی شخص جو کہ پاگل نہ ہو

93۔ الدر المختار، بدایۃ المجتہد، شرح کنز الدقائق

پچیس سال کی عمر میں "رشید" ہو جاتا ہے۔اور کیونکہ نکاح کے معاملہ میں اسی باکرہ بالغہ لڑکی جس کواس کے باپ نے رشیدہ قرار دے دیا ہواپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ عاقلہ بالغہ رشیدہ کنواری لڑکی کا اپنا نکاح خود کرنا جائز ہے اور فقہ میں انسان لڑکا اور لڑکی رشیدہ دو طریقوں سے ہوتے ہیں یا تو بالغ ہونے کے بعد ان کے رشد کا استقرار کر دیا جائے یا وہ پچیس برس کے ہو جائیں۔ لہٰذا پچیس برس کی کنواری لڑکی از خود رشیدہ قرار پائے گی اور وہ ولایت اجبار سے خارج ہو گی۔ وہ اپنا نکاح خود بلحاظ شرع کر سکے گی جو کہ جائز ہو گا۔

گزشتہ ابواب میں ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ نکاح میں اختیار کا تعلق لڑکی کی عمر ورشد عقل سمجھ سے ہے نہ کہ اس کے اوصاف جسمانی سے اگر ایسا ہوتا تو بالاتفاق فقہاء نابالغہ، ثیبہ پر ولایت اجبار کا اطلاق ہر گز نہ کرتے۔

بالغہ ایمہ:

احادیث مبارکہ میں ایک لفظ "ایمہ" کا استعمال ہوا ہے جو کہ حسب ذیل ہے:

حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، حَدَّثَهُمْ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لاَ تُنْكَحُ الأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ، وَلاَ تُنْكَحُ البِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: «أَنْ تَسْكُتَ»[94]

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا: "ایم" کا اس وقت تک نکاح نہ

94۔ صحیح البخاری (17/7) حدیث نمبر: 5136

کرو جب تک اس سے صاف صاف زبان سے اجازت نہ لی جائے۔اسی طرح باکرہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے اذن نہ لے لو۔لوگوں نے کہا وہ اذن کس طرح دے گی؟آپ ﷺ نے فرمایا اس کی خاموشی اس کا اذن ہے۔

اس حدیث میں باکرہ اور ایم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔اس لئے لفظ "ایم" کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

لفظ "ایم" کا لغوی جائزہ

ولی کی بحث میں حضور پاک ﷺ سے جتنی احادیث روایت کی گئی ہیں ان کے صحیح ادراک کے لیے لفظ "ایم" کا لغوی جائزہ نہایت اہم ہے۔ یہ وہ لفظ ہے جو کہ کئی احادیث میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ہم پہلے عربی زبان کی معتبر لغات سے اور پھر مفسرین کی کی گئی تفاسیر سے استنباط کریں گے۔ کیونکہ یہ لفظ صرف ایک مرتبہ قرآن میں استعمال ہوا ہے اس لیے اس کا لغوی مطلب تفاسیر کی مدد سے جاننا آسان معلوم ہوتا ہے۔

عربی لغات میں لفظ "ایم"

1- لسان العرب جو کہ عربی زبان کی معتبر ترین لغت سمجھی جاتی ہے اس میں اس لفظ کا حسب معمول بتفصیل جائزہ لیا گیا ہے جو کہ یوں ہے:

أيم: الأَيامى: الَّذِينَ لَا أَزواجَ لَهُمْ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ[95]

یعنی وہ لوگ جو کہ غیر شادی شدہ ہوں چاہے مرد ہوں چاہے عورتیں۔

اس لفظ کا اصل ایایم ہے اور مرد کے لیے لفظ ایم استعمال ہوا ہے جس کی بیوی نہ ہو چاہے اس نے پہلے شادی کی ہو یا نہ کی ہو یعنی چاہے شادی شدہ رہا ہو یا نہ رہا ہو اس کی بیوی موجود نہ ہو۔ اور عورتوں میں الایم اس عورت کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کہ غیر شادی شدہ ہو چاہے وہ کنواری باکرہ ہو چاہے مطلقہ یا بیوہ ہو۔ عورتوں کے لیے جب لفظ ایم جمع کے صیغہ میں استعمال ہوتا ہے تو اس کی جمع أيائم یا أيأمى آتی ہے۔ ابن سیدہ کی رائے میں اصل میں یہ لفظ اائیایم ہے لیکن مقلوب ہو کر الیامیم ہو گیا ہے لہٰذا ایامی بن گیا اور یہ باب الوضع

95۔ لسان العرب (39/12):

وضع سے ہے جبکہ فارسی کا قول ہے کہ یہ مقلوب ہے حرف العین، پر اور عورت اور مرد دونوں پر اس لفظ کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب کہ دونوں نے یعنی چاہے عورت ہو یا مرد کافی عرصہ بغیر شادی کے گزار دیا ہو۔ اس شادی شدہ عورت کے لیے بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جس کا شوہر مرجائے اور وہ پھر ویسی ہی ہو جائے جیسا کہ جوانی میں تھی یعنی بغیر شوہر کے۔

2- ابن الاعرابی کا قول ہے[96]:

> ایسا مرد جس نے کبھی شادی کی ہی نہ ہو اور ایسی عورت جس نے کبھی شادی نہ کی ہو۔ نیز الایم کا استعمال کنواری اور ثیب (یعنی مطلقہ اور بیوہ دونوں کے لیے ہوتا ہے) الایم کے اصل معنی ہیں ایسی عورت جس کا شوہر نہ ہو۔ چاہے وہ کنواری ہو، چاہے مطلقہ ہو یا بیوہ ہو۔

لَقَدْ إِمْتُ حَتَّى لامَنِی کلُّ صاحِبٍ،
رَجاءً بسَلْمی أَن تَئِیمَ کَمَا إِمْتُ[97]

3- **شرح القاموس تاج العروس میں اس لفظ کے معنی:** الایم کے معنی ہیں[98]:

96۔ ابن الاعرابی بحوالہ لسان العرب

97۔ لسان العرب (39/12)

98۔ شرح القاموس تاج العروس

من النِّساء: مَنْ لَا زَوْجَ لَها بِكْرًا أَو ثَيِّبًا، و من الرِّجال: من لَا امْرأَةَ لَهُ، جَمْعُ الأَوَّلِ أَيَايِمُ وَأَيَامَى بھی[99]

الایم سے مراد ایسی عورت ہے جو کہ غیر شادی شدہ ہو چاہے کنواری ہو چاہے مطلقہ یا بیوہ ہو اور جب مرد کی بات ہو تو اس سے مراد ایسا مرد جس کی کوئی بیوی نہ ہو۔ اس لفظ کی جمع ایام اور ایامی دونوں ہیں۔

4- القاموس المحیط[100]:

اس میں بھی اس لفظ کی یہی تعریف کی گئ ہے یعنی ایسی عورت یا ایسا مرد جس کا کوئی جیون ساتھی نہ ہو۔ اب چاہے اس جیون ساتھی کی عدم موجودگی کا سبب کچھ بھی ہو۔ عورت ے لیے دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔

اولا: یہ کہ کنواری ہو اور اس نے شادی ہی نہ کی ہو۔

ثانیا: یہ کہ اس نے شادی کی ہو لیکن وہ بیوہ یا مطلقہ ہو گئ ہو۔

الغرض یہ لفظ ایم ہر صورت میں منطبق ہوگا۔

5- الموارد فی فصیح العربیۃ والموارد، میں اس لفظ کے معنی کی وضاحت ہوتی ہے[101]:

تأييم الرجل وتأيمت المرأة إذا مكثا زمانا لا يتزوجان

99۔ (تاج العروس (255/31)

100۔ القاموس المحیط

101۔ الموارد فی فصیح العربیۃ والموارد

ترجمہ : ایم کے لفظ کا اطلاق عورت اور مرد پر اس وقت ہو گا جب وہ کافی عرصہ غیر شادی شدہ رہے ہوں۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ کنواری لڑکی کے لیے اس لفظ کا اطلاق کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ پختہ سن میں ہو یا کہ کم سن نہ ہو اس نے ایک عرصہ غیر شادی شدہ حالت میں گزارا ہو۔

6- الصحاح نے بھی اس لفظ کی کچھ اسی طرح معنی بیان کئے ہیں[102]:

وتأيمت المرأة وتأيم الرجل زمانا إذا مكث لا يتزوج

یعنی عورت یا مرد ایم یا ایمہ اس وقت کہلائیں گے جب وہ غیر شادی شدہ حالت میں کافی عرصہ رہ چکے ہوں۔

اس ضمن میں شعری دلیل ہے:

كل امرىء ستيئهم منه العرس أوفها يئم

7- المختار من صحاح اللغۃ: کے مطابق بھی اس لفظ کے معنی غیر شادی شدہ مرد یا عورت کے ہی ہوتے ہیں۔[103]

102۔ الصحاح

103۔ المختار من صحاح اللغۃ

8- دائرۃ معارف القرآن: اس میں اس لفظ کے معنی کچھ یوں بیان ہوئے ہیں۔[104]

تایم الرجل سے مراد ہے یعنی زمان لایتاہل۔ یعنی ایسا شخص جو کہ کافی عرصہ سے غیر شادی شدہ ہو۔

9- المنجد[105] میں ہے:

أيمة: صيده أيما: تأيم: مكث زمانا لا يتزوج

یعنی ایم یا ایمہ کا اطلاق اس عورت یا مرد پر ہوتا ہے جو کافی عرصہ سے غیر شادی شدہ ہو۔

10- Arabic-English Lexicon میں اس لفظ کے معنی یوں بیان ہوئے ہیں[106]:

She had no husband, said of a virgin and one who is not virgin.

11- قاموس الفاظ القرآن الکریم (عربی-انگلش) میں یہ لفظ یوں بیان ہوا ہے:

104۔ دائرۃ معارف القرآن

105۔

106۔ المنجد

Unmarried, divorced or widow یعنی single women :الامی

12- عربی فرانسیسی اور انگریزی کی ایک لغت میں اس کے معنی ہیں:

To be without a spouse celibacy, celibataries.

13- عربی انگریزی معجم لغة الفقهاء میں ہے:

ایایم وأیامی من النساء: من لا زوج لها بکرا کانت أو مطلقة أو أرملة

ایمہ عورت سے مراد غیر شادی شدہ عورت خواہ وہ مطلقہ بیوہ ہو یا کنواری ہو۔

14- Arabic English Dictionary میں یوں ہے:

Be without a husband or wife (single divorced and widow)

تفاسیر میں ایم یا ایامی کا مطلب:

1- تفسیر البیضاوی[107]:

107۔ تفسیر بیضاوی

لفظ ایامی جو کہ ایک ہی مرتبہ قرآن پاک میں استعمال ہوا ہے تفسیر وشرح اس طرح فرماتے ہیں کہ اس سے مراد غیر شادی شدہ مرد عورت دونوں پر ہوتا ہے۔ عورت کنواری ہو یا ثیبہ ہو۔

2- امام طبری اپنی تفسیر جامع البیان میں اس لفظ کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں:

يقال: رجل أيم، وامرأة أيم وأيّمة: إذا لم يكن لها زوج; ومنه قول الشاعر:

فإنْ تَنْكِحي أَنْكِحْ وَإنْ تَتأَيَّمِي
وإنْ كُنْتُ أَفْتَى مِنْكُمُ أَتَأَيَّمُ [108]

یعنی ایم یا ایمۃ سے مراد غیر شادی شدہ شخص ہے چاہے عورت ہو یا مرد۔

3- الجامع لأحکام القرآن میں امام قرطبیؒ نے بھی اس لفظ ایم یا ایامی کی تعریف کچھ اس طرح کی گئی ہے:

الَّذِينَ لَا أَزْوَاجَ لَهُمْ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ، وَاحِدُهُمْ أَيِّمٌ. قَالَ أَبُو عَمْرٍو: أَيَامَى مَقْلُوبُ أَيَايِمَ. وَاتَّفَقَ أَهْلُ اللُّغَةِ عَلَى أن الأيم في الأصل هِيَ الْمَرْأَةُ الَّتِي لَا زَوْجَ لَهَا، بِكْرًا كَانَتْ أَوْ ثَيِّبًا، [109]

108۔- تفسیر الطبری = جامع البیان ت شاکر (165/19):

109۔ تفسیر القرطبیؒ (239/12):

یعنی الایامی سے مراد وہ شخص ہے جو کہ غیر شادی شدہ ہے چاہے وہ عورت ہو چاہے مرد۔ اس کا مفرد ایم ہے اور ابو عمرو کے قول کے مطابق ایامی لفظ ایام سے مقلوب ہو کر بنتا ہے۔ امام قرطبیؒ کے بقول تمام اہل لغت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ الایم اصل میں اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کا شوہر نہ ہو یعنی جو غیر شادی شدہ ہو۔ عربوں کا محاورہ ہے ایمہ اسی عورت کے لیے استعمال کرتے ہیں جو کہ غیر شادی شدہ ہوتی ہے جس نے شادی نہ کی ہو۔

4- الجلالین میں بھی ایامی سے مراد غیر شادی شدہ عورت ہی لکھی گئی ہے۔(110)

5- امام جوزی نے فرمایا اس سے مراد ایسے مرد یا عورت ہیں جو کہ غیر شادی شدہ ہوں۔ چاہے کنوارہ مرد ہو یا کنواری عورت، چاہے رانڈ مرد ہو یا بیوہ عورت، چاہے مطلقہ عورت ہو۔ الغرض سب کچھ بھی ہو۔ صورت یہ ہو کہ شخص غیر شادی شدہ ہو تو اس لفظ کا اس پر اطلاق ہو گا۔

6- حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں(111):

ایامی ایم کی جمع ہے جو کہ اس مرد و عورت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس کا نکاح موجود نہ ہو خواہ اول ہی سے نکاح نہ کیا گیا ہو یا زوجین میں کسی ایک صورت سے یا طلاق سے نکاح ختم ہو گیا ہو۔

حدیث پاک میں "ایم" کا لفظ پختہ عمر بالغ لڑکی پر دلال کرتا ہے کیونکہ اگر یہاں ایم سے معنی کو مطلق اور مفید کے اصول کے تحت صرف ثیبہ تک مفید کر دیا جائے تو پھر

110- تفسیر جلالین

111- معارف القرآن

حدیث میں اس لفظ کے استعمال کا مفہوم فوت ہو جاتا ہے کیونکہ حضور ﷺ سے زیادہ فصیح اور بلیغ شخص دنیا میں کوئی ممکن نہیں اور حدیث میں ثیب کا لفظ مقید کرنے کے لیے استعمال ہو سکتا ہے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کے بر عکس باکرہ اور اس کے ساتھ اس کی شرم وحیاء اور شادی ونکاح کے نام پر واضح اذن دینے پر صحابہ کے استفسار سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں باکرہ کا طلاق کم عمر باکرہ لڑکی پر ہو رہا ہے۔ پختہ عمر ایمہ پر مقصود نہیں۔ کیونکہ اگر ثیبہ پر اس کا اطلاق ہو تو پھر کم عمر ثیبہ کو فقہاء مستثنی کر کے ولایت اجباری کے تحت نہ کرتے اصلاً تقسیم بلحاظ عمر ہی مقصود ہے۔

خلاصہ

ولی کی تعریف اور ولایت کی تین اقسام کی تعریف کے بعد ولی کے اختیارات بنسبت عمر وصلاحیت مولی علیہاکے لحاظ سے تین اقسام بیان کی گئی ہیں:

اولا: نا بالغ مولی علیہا:

- جس میں نا بالغ باکرہ
- نا بالغ ثیبہ
- نا بالغ غیر باکرہ

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان تمام پر ولی کی ولایت اجبار حاصل ہے۔ احناف کے نزدیک بالترتیب تمام اولیاء کو حاصل ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک باپ دادا یا ان کے وﺅی کو حاصل ہے اور شوافع کے نزدیک صرف باپ کو اور وہ بھی مشروط۔

ثانیا: مستقل مجنون مولی علیہا:

مستقل مجنون لڑکی چاہے بالغ ہو یا نا بالغ۔۔۔ قاصرہ کی تعریف میں آتی ہے۔ اور علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے۔

ثالثا: عاقل بالغ مولی علیہا:

بالغ کی کئی طرح کی تقسیم کی گئی ہے۔

بلحاظ اوصاف جسمانی یا ازدواجی بالغ لڑکی کو باکرہ اور ثیبہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ بالغ ثیبہ کی حد تک تمام علماء فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس کو اپنے ولی کی نسبت اپنے نکاح میں زیادہ اختیار ہے۔

بالغہ باکرہ معاملہ میں علماء کا کچھ اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک اسے اختیار ہے۔۔۔ جمہور کے نزدیک نہیں ہے۔۔۔ لیکن مالکیہ کے نزدیک اور حنابلہ کے نزدیک باکرہ

بالغہ جو کہ عانسہ ہو اسے اختیار ہے۔ مالکیہ کے نزدیک ایسی بالغہ باکرہ جو کہ رشیدہ بنادی گئی ہو اسے بھی اختیار ہے۔ شوافع کے نزدیک اسے اختیار حاصل نہیں ہے۔ عاقلہ بالغہ کے اختیار نکاح سے متعلق جو جمہور اور احناف میں ظاہری اختلاف ہے وہ ایک مستقل بحث ہے جس کو کتاب کے آئندہ مکمل حصہ میں زیر بحث لایا جارہا ہے۔

تقسیم ولایت بلحاظ احناف
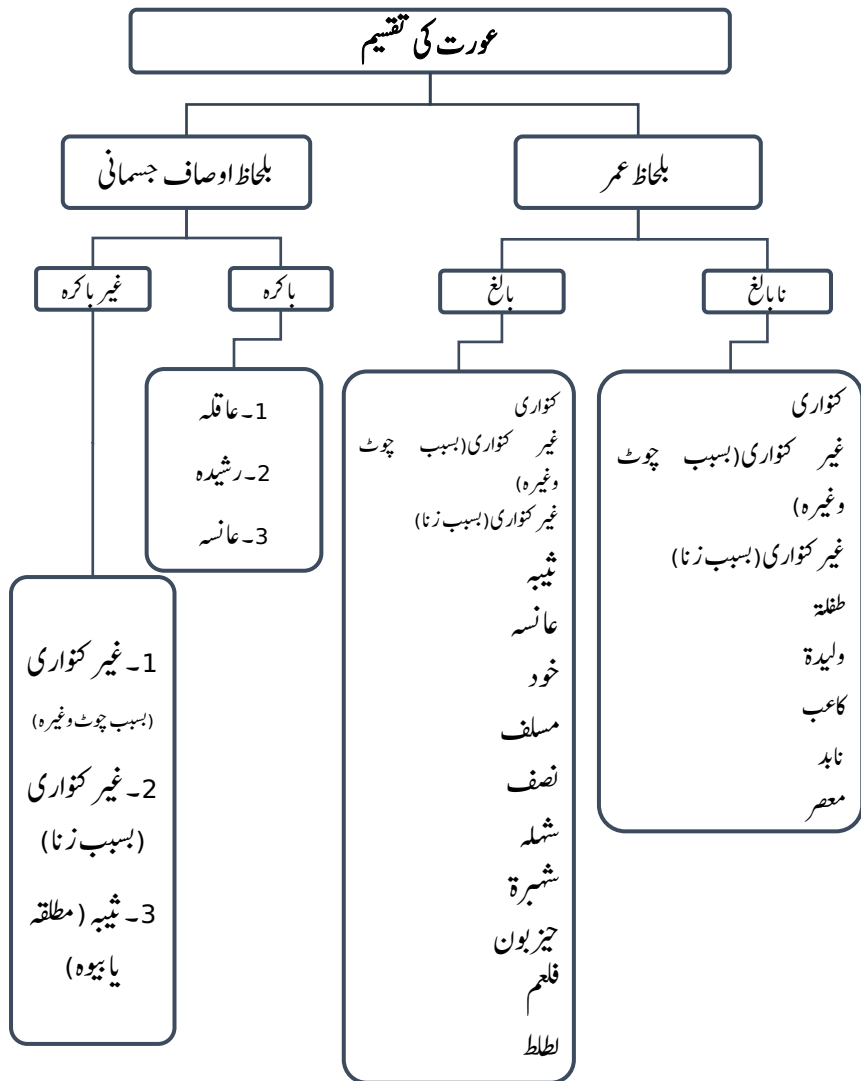
تقسیم ولایت بلحاظ احناف
ولایت اجبار
ولایت استحباب
تمام نا بالغان
تمام بالغان علاوہ مجنون
1۔ کنواری 2۔ ثیبہ
3۔ غیر باکرہ
1۔ کنواری 2۔ غیر کنواری
3۔ ثیبہ 4۔ عانسہ
5۔ رشیدہ

تقسیم بلحاظ جمہور
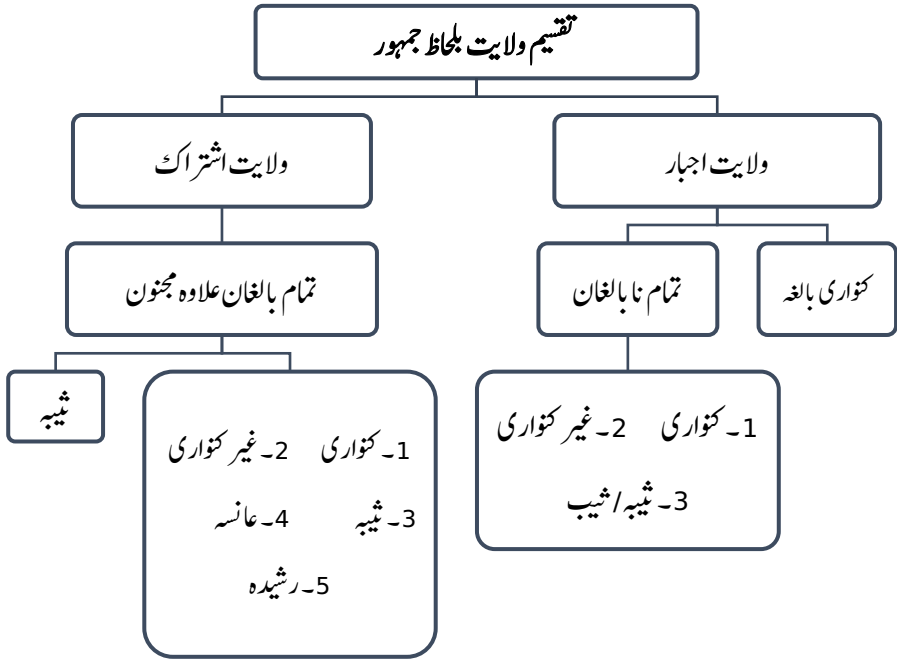
چوتھا حصہ

ائمہ کا اختلاف اور اس کے اسباب

چوتھا حصہ:
ائمہ کا اختلاف اور اس کے اسباب

ہمارے اسلاف نے اور ائمہ وفقہاء عزام نے جس جاں فشانی سے دین اسلام کے دقیق سے دقیق دینی مسائل کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے جو محنت شاقہ کی ہے اس کا ہم اس دور میں تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کسی مسئلہ میں علماء میں اختلاف کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی ایک فریق غلطی پر ہے ہاں ان آراء میں کسی ایک کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔ یہ بت بھی یقینی ہے کہ جتنا اسلام کی روح اور اس کے امتزاج کو اسلاف نے سمجھا ہے بعد کے آنے والے کسی طور اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ولی کے مسئلہ میں بھی ائمہ میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن اس مئلہ کو غلط طور اور غلط انداز میں بیان کرکے الجھا دیا گیا ہے۔ کتاب کے اس حصہ میں ہم ولی کے مسئلہ میں ائمہ کے اختلاف اور ان کے پیش کردہ دلائل کا جائزہ لیں گے۔ ہماری دانست میں یہ بات اہم ہے کہ اختلاف کا جائزہ لینے سے پہلے اس بات کا جائزہ لے لیا جائے کہ اس وسیع اور ہمہ جہت مسئلہ میں ائمہ میں بنیادی اختلاف کن باتوں میں اور کس حد تک ہے۔ یوں یہ مسئلہ صحیح طور پر سمجھا جا سکے گا۔

ولایت اجباری اور ائمہ کرام کی آراء:

ولایت اجباری کی تعریف گزر چکی ہے یعنی وہ حق ولایت جس میں ولی مولی علیہا لڑکی پر جبر کر سکتا ہے یعنی اس کی مرضی کے خلاف اس کا نکاح کر سکتا ہے۔ اس حق کے حوالہ سے ائمہ میں مندرجہ ذیل آراء پائی جاتی ہیں۔

1- احناف کا نکتہ نظر:

ولی کو ولایت اجباری صرف اور صرف نابالغان کی حد تک حاصل ہے بلوغت کے بعد ولایت اجباری کا تصور عاقل بالغ لڑکی کے ضمن میں احناف کے نزدیک ختم ہو جاتا ہے۔ نیز احناف کے نزدیک یہ حق لڑکی کے تمام اولیاء کو علی الترتیب حاصل ہے۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

2- جمہور، حنابلہ، شوافع اور مالکیہ کا نکتہ نظر:

نابالغ لرکی کی حد تک جمہور اور احناف میں ولایت اجباری کی موجودگی سے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ یہ حق کس کس ولی کو حاص ہے اس میں جمہور میں آپس میں بھی اختلاف رائے ہے۔

مالکیہ کے نزدیک صرف لڑکی کے باپ یا اس کے وصی کو یہ حق حاصل ہے۔ حنابلہ کے نزدیک صرف لڑکی کے باپ یا دادا یا ان کے وصی کو یہ حق حاصل ہے۔ شوافع کے نزدیک صرف باپ یا اس کے وصی کو حاصل ہے لیکن کم از کم سات شرائط سے مشروط ہے کہ ولی یہ حق استعمال کرتے وقت ان کا پابن ہوگا جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

الغرض تمام ائمہ کا اس بات پر سو فیصد اتفاق ہے کہ نابالغ لڑکی کے اوپر ولایت اجبار ثابت ہے اور جائز و درست ہے اور نابالغ از خود نکاح کرنے سے قاصر ہے۔ یہی اتفاق مرفوع القلم و مجنون کے حوالہ سے بھی ائمہ میں موجود ہے۔ صرف ائمہ میں اس حق کے استعمال کے طریقہ کار میں تھوڑا اختلاف ہے۔

ولایت استحباب اور ائمہ کا اختلاف:

ولایت استحباب کی تعریف کزر چکی ہے۔ اس کو "ولایت اختیار" بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی عاقل بالغ لڑکی اگر اپنے نکاح میں ولی کی مرضی اور رضامندی شامل کرلے تو یہ مستحب

ہے علی کی شمولیت نکاح میں احسن ہے لازم نہیں۔

1- احناف کا نکتہ نظر:

اس معاملہ میں احناف کا نکتہ نظر بالکل واضح ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی اپنا نکاح اپنی مرضی سے کر سکتی ہے لیکن اگر یہ نکاح غیر کفو میں کیا گیا ہو یا مہر مثل مقرر نہ کیا گیا ہو تو ولی اس عاقل بالغ لڑکی کے کئے ہوئے نکاح کو فسخ کرا سکتا ہے۔

2- جمہور، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا نکتہ نظر:

جمہور ولایت استحباب یا ولایت اختیار کے کلی طور پر حامی نہیں۔ انہوں نے عاقلہ بالغہ مولی علیہا کی مختلف تقسیم کی ہوتی ہیں جس کے حوالہ سے یہ اختیار قائم اور معدوم ہوتا ہے۔

اولا: ثیبہ یا ثیب: یعنی مطلقہ یا بیوہ جو کہ بالغ ہو اس کی حد تک تمام اتفاق ہے کہ اس کو اپنے اوپر ولی کی نسبت زیادہ اختیار ہے۔

ثانیہ: عانسہ: امام حنبل کے ایک قول کے مطابق اور امام مالک کی رائے میں عانسہ کو یہ حق حاصل ہے۔ امام مالک نے عانسہ کی عمر کا تعین 30 برس کیا ہے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

ثالثا: راشدہ یا رشیدہ: امام مالکؒ کے نزدیک عاقلہ و بالغہ لڑکی جس کو اس کے باپ نے رشیدہ قرار دے دیا ہو یہ حق اپنے پاس رکھتی ہے۔ ویسے حجر کے حوالہ سے یہ عمر زیادہ سے زیادہ پچیس برس بنتی ہے۔

ولایت اشتراک اور ائمہ کا اختلاف:

ولایت اشتراک سے مراد یہ ہے کہ ولی اور مولی علیہا دونوں کو یہ حق حاصل ہے۔ لیکن مشترکہ طور پر یعنی نکاح ولی کرے لیکن لڑکی کے اذن و مرضی سے۔

1- احناف کا نکتہ نظر:

احناف کا نکتہ نظر واضح ہے وہ عاقلہ بالغہ لڑکی کے ضمن میں ولایت اشتراک کے قائل نہیں بلکہ صرف ولایت استحباب کے قائل ہیں۔

2- جمہور، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ:

جمہور عاقلہ بالغہ باکرہ لڑکی کے لیے ولایت استحباب نہیں بلکہ ولایت اشتراک کے قائل ہیں۔اور یہی کتاب کے اس حصہ کا موضوع ہے۔

اس ذیلی مسئلہ پر ائمہ نے مختلف دلائل دیئے ہیں کہ ایک عاقلہ بالغہ باکرہ لڑکی کو آیا نکاح میں ولایت اشتراک حاصل ہے۔یا کہ ولایت استحباب۔۔۔کیونکہ یہ بحث فقہ کی کتابوں میں بہت تفصیل سے ملتی ہے لہٰذا کچھ لوگوں نے اس ذیلی بحث کو اصل بحث سمجھ لیا ہے جو کہ درست نہیں۔

وضاحت: کتاب کے اس آئندہ حصہ میں جو بحث ہے وہ مذکورہ بالا حوالہ سے محدود و مقید ہے نہ کہ مطلق یعنی نکاح میں عاقلہ بالغہ باکرہ لڑکی کے ولی کو ولایت اشتراک حاصل ہے یا کہ ولایت استحاب۔

ولی کے مسئلہ میں ائمہ کی آراء

یہ مسئلہ کہ کوئی عورت (عاقلہ، بالغہ کنواری) ولی کی موجودگی کے بغیر یا اس کی مرضی کے خلاف نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟۔۔ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے یعنی علماء اس کے بارے میں اپنی اپنی مختلف آراء رکھتی ہیں اور سب کے پاس اپنے اپنے دلائل و مصالح ہیں۔اس باب میں ہم ان تمام آراء کا اجمالا احاطہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

1- احناف کی آراء :

امام ابو حنیفہ کی اس مسئلہ میں رائے یہ ہے کہ ایک عاقل بالغ باکرہ عورت اپنی مرضی سے اپنا نکاح کر سکتے ہیں۔ امام علیہ الرحمۃ کے نزدیک ولی کی موجودگی نکاح کی شرائط میں سے نہیں ہے۔ امامؒ نے اپنی اس رائے کے ضمن میں تفصیلی دلائل فرماتے ہیں۔ امام صاحب اپنی رائے کی تائید میں فرماتے ہیں کہ چونکہ شریعت اسلامیہ میں عورت اور مرد دونوں پر مساوی اور برابر ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں۔ چاہے ان کا تعلق اہلیت وجوب سے ہو یا اہلیت ادا سے۔ یعنی جو وجوب وفرائض مرد پر ہیں وہی وجوب وفرائض عورت پر بھی ہیں اور جس طرح ان وجوب وفرائض کی ادائیگی کے حکم کا اطلاق مرد پر ہوتا ہے اسی طرح عورت پر بھی ہوتا ہے۔ یہ تو صورت ہے شریعت یا دین کی۔ رہے معاملات تو اس میں بھی یہ برابری قائم ہے۔ یعنی جو مالی حقوق عورتوں کو حاصل ہیں وہی مردوں کو بھی حاصل ہیں۔ اسی طرح جو حقوق مرد کے ذمہ واجب الاداء ہیں وہ عورت پر بھی واجب الاداء ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت مکمل طور پر تصرفات کی ذمہ داری قبول کر سکتی ہے اور دوسروں کے حقوق کا بوجھ اٹھا سکتی ہے۔ امام صاحب کے نزدیک عورت کلی طور پر حقوق واجبہ کی ذمہ دار ہے کیونکہ ایک عاقلہ بالغہ عورت میں مستقل ادارہ پایا جاتا ہے جس کی بناء وہ اپنے تصرفات انجام دیتی ہے جس کو شریعت معتبر سمجھتی ہے۔ اس لیئے عورت تنہا نکاح کرنے کا اختیار

رکھتی ہے اور کسی کو اس پر جبر کا حق حاصل نہیں۔ نیز امام صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ لڑکی اگر خود ایجاب و قبول کرے تو اس نے کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ ہی حد سے تجاوز کیا۔ کیونکہ عورت کا یہ کام اس کے حدود و اختیار سے متجاوز نہیں ہے لہٰذا اس کا کلام نافذ سمجھا جائے گا اور اس کا نکاح صحیح ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک عورت یا مرد وہ دونوں میں کمال ولایت کا دارومدار اور علت کا انحصار ایک ہی چیز پر ہے یعنی بلوغت ـ فہم و شعور یعنی جب تصرفات میں ان چیزوں سے کمال ولایت ثابت ہے تو شادی میں بھی یہ ثابت ہے۔ یا یوں کہیں کہ جب عاقل بالغ مرد کو اپنی شادی خود کرنے کا اختیار حاصل ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے عورت کو بھی بعینہٖ یہ اختیار حاصل ہے۔ اگر معاشرتی یا کسی اور اعتبار سے یہ مسئلہ کوئی خصوصی اہمیت رکھتا ہے تو اس مسئلہ کا یہ پہلو اور اہمیت عورت اور مرد دونوں کے لیے یکساں ہے۔ یعنی اگر عورت کے خود نکاح کرنے میں اس کے ولی کو کسی قسم کے ضرر کا خدشہ ہو تو مرد کے خود نکاح کرنے میں بھی وہ خدشہ اس کے ولی کے لیے موجود رہے گا۔

لیکن جہاں امام صاحب علیہ الرحمۃ نے اتنی جامع اور وسیع النظر رائے کا اظہار کیا ہے وہاں اس میں دو شرائط کا اضافہ بھی فرمایا ہے اور ہماری دانست میں وہ دو شرائط کا اضافہ امام صاحب کی اس رائے کو مزید جامع کر دیتی ہیں۔ وہ شرائط یہ ہیں کہ عورت اپنی مرضی سے نکاح کرتے وقت کفو[112] اور مہر مثل[113] کا خیال رکھے۔

یہ دو شرائط ہماری ادنی رائے میں اسلام میں عورتوں کے حقوق کے تحفظ کی ایک اور روشن اور واضح دلیل ہے۔ یعنی ایک عاقل بالغ عورت کو اپنی مرضی سے عقد نکاح میں

112۔ "کفو" سے مراد ہمسر ہے۔ یعنی وہ شخص جو مذہب، نسب، آزادی، پیشہ، دیانت اور تموّل میں ہمسر ہو۔

113۔ "مہر مثل" مہر مثل امثال واقران کے مہر کو کہتے ہیں جو اس عورت کے مثل عورت کا مقرر ہوا ہو۔

داخل ہو جانے کا تو پورا پورا اختیار ہے لیکن اگر وہ اس عقد میں داخل ہو جاتی ہے اور بعد ازاں اس کے ولیوں کو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے تو عورت کو نقصان ہونے کا احتمال ہے اور یہ عقد واضح طور پر عورت کے حق میں نہیں یا کسی طور اس کی حق تلفی کا موجب بن رہا ہے تو وہ اس کو ختم بھی کروا سکتی ہیں۔ یہ ان چند خصوصی رعایتوں میں سے ہیں جو کہ شریعت اسلامی میں عورت کو تو حاصل ہیں لیکن مرد کو حاصل نہیں ہیں۔ اس کو بالتفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے۔

2- امام مالک کی رائے:

ابن رشد نے ابن قاسمؒ کے حوالہ سے امام مالک سے ایک قول نقل کیا ہے جس کے مطابق امام مالک کے نزدیک نکاح میں ولی کی شرط سنت ہے فرض نہیں اور اگر کوئی مرد عورت بغیر ولی کے نکاح کرلیں اور ان میں سے ایک فوت ہو جائے تو دوسرا اس کا جائز وارث ہوگا۔ امام مالک کی رائے میں ولی کی شرط صحت نکاح کے لیے نہیں بلکہ اتمام نکاح کے لیے ہے۔ امام مالک کے بغدادی شاگردوں کی رائے میں امام مالک کا مذہب بھی یہی ہے۔

امام صاحب کی اس رائے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قانونی یا شرعی اعتبار سے تو اسے عقد نکاح میں کوئی سقم نہیں لیکن احسن اور افضل یہی ہے کہ لڑکی کے ویل نہ صرف شادی میں شامل ہوں بلکہ ان کی رضامندی بھی ہو۔

3- امام محمد اور امام یوسف علیہما الرحمۃ کی آراء:

اس ضمن میں امام یوسف اور امام محمد دونوں سے کئ اقوال مروی ہیں لیکن ان دونوں سے جو آخری اور مستند اقوال مروی ہیں وہ یہ ہیں:

> اگر کوئی عورت اپنا نکاح اپنی مرضی سے کفو میں کرے تو نافذ ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عورت کے حق میں نکاح میں

ولی کا حق حصانت عورت کی حفاظت ونگہبانی کی غرض سے ہے
اور جب کوئی عورت غیر کفو میں شادی کرلے تو اس کے اولیاء کو
عذر لاحق ہوگا اور اگر عورت اپنا نکاح کفو میں کرلیتی ہے تو اس
کے اولیاء کا یہ حق ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی عورت اپنے
کسی کفو کو پسند کرے اور یہ مطالبہ کرے کہ اس کی شادی اس
سے کر دی جائے تو ولی کو یہ اختیار ہرگز حاصل نہیں کہ وہ اس کو
اس نکاح سے منع کرے۔ امام محمد اپنی اس رائے کو تقویت
پہنچانے کے لیے ایک اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی
عورت ایسی ہو جس کا کوئی ولی نہ ہو تو اس کو یہ اختیار حاصل ہے
کہ وہ اپنا نکاح خود کرسکے اس طرح اگر عورت اپنے حق کا خود
تصرف کرلیتی ہے تو اسکا نکاح نافذ ہوگا۔

4- امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی آراء:

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی رائے کے مطابق کوئی عورت ولی کی مرضی وموجودگی کے بغیر نہ اپنا نکاح کرسکتی ہے اور نہ کسی دوسری عورت کا نکاح کرسکتی ہے۔ ان فقہاء کے نزدیک ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا اور ایسا نکاح باطل ہے۔ ان کے نزدیک نکاح میں ولی کی مرضی اور شمولیت لازمی شرط ہے۔

دلائل فقہاء

علماء فقہاء اور ائمہ اس مسئلہ میں ظاہری اعتبار سے دو رائے رکھتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ دونوں گروہ اپنی اپنی رائے کے ضمن میں دلائل بھی پیش کرتے ہیں اس باب میں ہم ان دونوں گروہوں کے پیش کردہ دلائل کا تذکرہ کریں گے۔

اولاً وہ فقہاء جو کہ اس رائے کے حامل ہیں کہ نکاح کی صحت کے لیے ولی کی شرط ضروری ہے ہم ان کا استدلال پیش کریں گے۔

اس گروہ کا قران پاک سے استدلال:

وہ گروہ جو اس بات کا قائل ہے کہ نکاح کے لیے ولی کی شرط ضروری ہے اور اس کے بغیر نکاح نہیں ہوتا وہ اپنی اس رائے کی تائید میں قرآن پاک سے سورہ بقرہ کی آیت نمبر 232 پیش کرتے ہیں:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾[114]

ترجمہ: اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پورا کرلیں تو تم انہیں جبکہ وہ نیک طریقہ پر باہم رضامند ہو جائیں اپنے خاوند کے ساتھ نکاح کر لینے سے مت روکو۔

اس آیات سے یہ گروہ استدلال کرتا ہے کہ اس آیت میں اولیاء کو مخاطب کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کا نکاح کریں یعنی جو الفاظ اس آیت کے ہیں کہ تم انہیں (عورتوں کو) مت

114۔[البقرۃ:232]

روکو سے مراد یہ ہے کہ کیونکہ نکاح کرنے کے مجاز اولیاء کو ہدایت کئے جانے کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ اپنا یہ حق غلط استعمال نہ کریں یعنی اگر کوئی عورت اس نیک اور معروف طریقہ سے اپنا نکاح کرنا چاہتی ہے تو اولیاء کو چاہئے کہ وہ اس کو ایسا کرنے سے مت روکیں۔ اس سے یہ گروہ یہ مطلب اخذ کرتا ہے کہ اگر اولیاء کو ولایت کا حق حاصل نہ ہوتا تو عورت ولی کے بغیر خود ہی نکاح کر سکتی تھی لہٰذا اولیاء کو ان کے حق کے غلط استعمال سے روکنے کا کیا جواز تھا۔

یہی گروہ قرآن پاک سے دوسری دلیل سورہ بقرہ کی اس آیت نمبر 221 سے پیش کرتا ہے۔

﴿وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ﴾(115)

ترجمہ: اور مشرکوں سے جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں (مسلمان عورتوں سے) نہ نکاح کرو اور ایک مؤمن غلام ایک مشرک (آزاد) سے یقیناً بہتر ہے خواہ وہ تمہیں کتنا ہی پسند ہو۔

یہ فریق اس آیت سے بھی وہ ہی استدلال پیش کرتا ہے کہ اس آیت میں بھی خطاب کیونکہ اولیاء سے ہے اس سے یہ مطلب اخذ کیا جائے گا کہ کسی عورت کا نکاح کرنے یا نہ کرنے کا حق اسکے ولی کو حاصل ہے۔ کیونکہ اس آیت مبارکہ میں اولیاء کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ مسلمان عورتوں کا رشتہ مشرک مرد سے نہ کریں اگر یہ حق عورتوں کو ہوتا تو ان سے مخاطب ہوا جاتا۔

احادیث سے استدلال:

115۔[البقرۃ:221]

علماء کا یہ گروہ جو کہ ولی کی موجودگی اور اسکی اجازت کو نکاح کی شرط قرار دیتا ہے وہ متذکرہ بالا دو آیات قرآنی کے علاوہ مندرجہ ذیل احادیث بھی اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتا ہے۔

پہلی حدیث:

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ [ص:400] رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا المَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا، فَإِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ»: [116]

ترجمہ: حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے، اسکا نکاح باطل ہے، اسکا نکاح باطل ہے۔ اور اگر اس نے صحبت کرلی تو عورت کے لیے مہر ہے کیونکہ اس نے اس کی شرم گاہ حلال کی ہے اگر ولایت میں لوگوں کا اختلاف ہو تو جس کا کوئی ولی نہیں اسکا ولی بادشاہ ہے۔

یہ روایہ احمد، ترمذی، ابن ماجہ، اور دارمی میں ہے البتہ ابو داؤد میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

116۔ سنن الترمذی ت شاکر (399/3) حدیث نمبر: 1102، ابوداؤد، ابن ماجہ دارمی/کتاب النکاح

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهَا، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ»، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ «فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَالْمَهْرُ لَهَا بِمَا أَصَابَ مِنْهَا، فَإِنْ تَشَاجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ». (117)

ترجمہ: بلا ولی کا نکاح نہیں، اگر کسی عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا تو اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔ اگر لڑپڑیں تو باشاہ اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

ایک اور روایت حضرت ابو موسی سے ہے:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ بْنِ أَعْيَنَ، حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ، عَنْ يُونُسَ، وَإِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ» (118)

117۔ سنن ابی داود (229/2)؛ حدیث نمبر: 2083

118۔ سنن ابی داود (229/2)، حدیث نمبر: 2085

ترجمہ: حضرت ابو موسی نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا بغیر ولی کے نکاح نہیں۔

یہ وہ بنیادی احادیث ہیں جو کہ علماء کا وہ گروہ اپنے استدلال کی مد میں پیش کرتا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ نکاح میں ولی کی شرط ضروری ہے۔ ان احادیث کے علاوہ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے قول و فعل کو بھی استدلال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروق کا فعل:

الدار القطنی میں امام شافعی سے روایت ہے کہ:

عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ , قَالَ: جَمَعَتِ الطَّرِيقُ رَكْبًا فَجَعَلَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُمْ ثَيِّبٌ أَمْرَهَا بِيَدِ رَجُلٍ غَيْرِ وَلِيٍّ فَأَنْكَحَهَا فَبَلَغَ ذَلِكَ عُمَرَ «فَجَلَدَ النَّاكِحَ وَالْمُنْكِحَ وَرَدَّ نِكَاحَهَا»(119)

ترجمہ: حضرت عکرمہ بن خالد سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا میں راستے میں ایک قافلہ سے ملا ان میں ایک بیوہ عورت بھی تھی جس کا معاملہ ایک آدمی کے اختیار میں تھا جو اس کا ولی تھا اس نے اسکا نکاح کر دیا۔ حضرت عمر کو بھی خبر ہو گئی آپ نے نکاح کرانے والے اور نکاح کرنے والے دونوں کو مارا اور نکاح تڑوا دیا۔

حضرت علیؓ کا فعل:

119۔ سنن الدار قطنی کتاب النکاح (5/1) حدیث رقم: 3530

عَنِ الشَّعْبِيِّ , قَالَ: «مَا كَانَ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ فِي النِّكَاحِ بِغَيْرِ وَلِيٍّ مِنْ عَلِيٍّ رَضِيَ

اللَّهُ عَنْهُ وَكَانَ يَضْرِبُ فِيهِ» (120)

علامہ شعبی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا صحابہ میں کوئی بھی بلا ولی کے نکاح کے بارے میں اتنی سختی کرنے والا نہ تھا جتنا حضرت علی تھے۔ آپ ایسے لوگوں کو مارا کرتے تھے۔

ایک اور روایت:

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -: «لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ، وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا فَإِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِي تُزَوِّجُ نَفْسَهَا». (121)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا ایک عورت دوسری عورت کا نکاح نہ کروائے اور کوئی عورت اپنا نکاح خود بخود نہ کرلے کیونکہ یہ کردار تو زانیہ عورت کا ہوتا ہے جو اپنا نکاح خود کرلیتی ہے۔ (122)

علماء کے اس گروہ کے عقلی دلائل:

120۔ سنن الدار قطنی کتاب النکاح (328/4) حدیث رقم: 3543

121۔ سنن ابن ماجہ (606/1) حدیث: 1882 رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيّ

122۔ منتقی الاخبار، کتاب النکاح، نیل الاوطار (142/6) حدیث نمبر: 2659

علماء کا وہ گروہ جو کہ اس رائے کو فوقیت دیتا ہے کہ نکاح میں عورت کے ولی کی موجودگی و رضامندی کی شرط نکاح کے لیے ضروری ہے اور ولی کے بغیر نکاح باطل ہے وہ ان نقلی دلائل جو بیان کئے جاچکے ہیں کے علاوہ عقلی دلائل بھی دیا ہے۔ ان کے عقلی دلائل کو اجمالا ہم یہاں بیان کریں گے۔

اولا: کیونکہ اسلام جس معاشرہ کا متقاضی ہے یعنی ایسا معاشرہ جس میں چادر اور چار دیواری کا اصل تقدس پایا جاتا ہو وہاں بالعموم تو کیا بالاستثناء بھی ایسے واقعات رونما نہیں ہو سکتے کہ کوئی لڑکی لڑکوں سے کھلم کھلا میل جول رکھے یا چوری چھپے آشنائی کرے اور اگر کوئی قبیح فعل کرے تو وہ اس معاشرہ کا حصہ ہی نہیں ہو گی۔

دوم: یہ کہ اسلامی معاشرہ میں نکاح صرف دو افراد کے درمیان ایک بندھن کا نام نہیں بلکہ یہ دو خاندانوں کے ملاپ کا نام تصور کیا جاتا ہے لہٰذا لڑکی کے اولیاء کو یہ اختیار ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی لڑکی کا ایسے شریف اور نجیب خاندان میں رشتہ طے کریں جس کو وہ اپنی لڑکی اور اپنے خاندان کے لیے بہتر و مناسب سمجھتے ہیں۔

سوم: عموما نکاح کی بات پکی کرنے سے پہلے جس جانچ پڑتال کی ضرورت ہوتی ہے اگر اس معاملہ کو اکیلی لڑکی پر چھوڑ دیا جائے تو اس بات کا اغلب گمان ہے کہ یہ اس اکیلی لڑکی کے بس کی بات نہیں جبکہ یہ معاملات لڑکی کے اولیاء بجا طور پر کر سکتے ہیں۔

چہارم: اگر یہ معاملہ صرف لڑکی پر چھوڑ دیا جائے جو کہ وقتی طور پر اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی فیصلہ کر لیتی ہے اور اس کے اولیاء کو کوئی اختیار نہ ہو تو

معاشرے کا شیراہ بکھر جائے گا اور بے حیائی کو فروغ ملے گا۔ عورت اور مرد کا آزادانہ میل جول عام ہو جائے گا اور اسلامی اقدار اور خاندانی وقار تار تار ہو جائے گا۔

ان فقہاء کے دلائل جو صحت نکاح[123] میں ولی کی شرط ضروری قرار نہیں دیتے:

اب ہم علماء کے اس گروہ کے دلائل پیش کرتے ہیں جو کہ صحت نکاح کے لیے ولی کی شرط کو ضروری قرار نہیں دیتے یہ فقہاء اپنی رائے کی تائید میں قرآن کی مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾[124]

ترجمہ: تم میں سے جن لوگوں کی روح قبض کرلی جاتی ہے اور وہ اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن تک روکے رکھیں پھر جب وہ اپنا مقررہ وقت پورا کرلیں تو وہ اپنے کو متعلق مناسب طور پر جو کچھ بھی کریں اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں اور جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالی اس سے واقف ہے۔

123۔ عاقل بالغ لڑکی کے نکاح میں ولایت استحباب کے قائل ہیں نہ کہ ولایت اشتراک یا ولایت اجبار کے۔

124۔[البقرۃ:234]

اس آیت سے اللہ تعالی کا صاف اور واضح حکم ہم کو ملتا ہے کہ بیوہ عورت اگر بعد از عدّت معروف واحسن طریقہ پر اپنا نکاح کسی مرد سے کر لیتی ہے تو وہ کر سکتی ہے اور کسی پر کوئی گناہ یا بار نہیں ہے۔

دوسری آیت:

علماء کا یہ ہی گروہ اپنی رائے کی تائید میں یہ آیت بھی پیش کرتا ہے:

﴿فَإِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنۢ بَعۡدُ حَتَّىٰ تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُ﴾[125]

ترجمہ: اگر خاوند طلاق دیدے تو اس کے لیے وہ عورت حلال نہ رہی جب تک دوسرے کسی شخص سے نکاح نہ کرلے۔

اس آیت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مطلقہ عورت کو اپنی مرضی سے نکاح کرنے کا حق ہے۔

تیسری آیت:

علماء کا یہ گروہ اپنی رائے کی تائید میں سورۃ البقرۃ کی وہ آیت ہی پیش کرتا ہے جو دوسرا گروہ اپنے استدلال کے لیے استعمال کرتا ہے۔

اسی آیت کا دوسرا جملہ:

﴿فَلَا تَعۡضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحۡنَ أَزۡوَاجَهُنَّ﴾[126]

125۔[البقرۃ:230]

126۔[البقرۃ:232]

ترجمہ: اور اس کے بعد ان کو مت روکو اگر وہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں۔

اس آیت میں اولیاء کو تنبیہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے لفظ "عضل" استعمال کیا ہے جس کے معنی ہیں "ظلم و تنگی" یعنی اولیاء کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایک مطلقہ عورت جو کہ معروف طریقہ سے اپنی شادی کرنا چاہتی ہے اسے روکیں یا اس کے لیے کوئی تنگی پیدا کریں یا اس پر کسی قسم کا ظلم روا رکھیں۔ لہٰذا ایسی عورت کو اپنے کفو میں شادی سے روکنے کی سخت اور واضح ممانعت ہے۔

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾[127]

ترجمہ: اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پورا کرلیں تو تم انہیں جبکہ وہ نیک طریقہ پر باہم رضامند ہو جائیں اپنے خاوندوں کے ساتھ کرلینے میں مت روکو۔

اس آیت مبارکہ میں ﴿أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ کہ وہ اپنے خاوندوں سے (اپنی مرضی سے) نکاح کرلیں۔

یہ جملہ غور طلب ہے کہ اس جملہ میں ایک فعل یعنی نکاح کا ذکر ہو رہا ہے جس کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے لہٰذا فعل کی نسبت ہمیشہ فاعل کی طرف ہوتی ہے اور اس

127۔[البقرۃ:232]

جملہ کی رو سے فاعل عورتیں ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ فعل نکاح عورت کر سکتی ہے کہ شارع نے خود اس فعل کی نسبت بطور فاعل عورت یا عورتوں کی طرف کی ہے باقی آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء کو عورت کو اس فعل سے روکنے کا کوئی اختیار نہیں بشرطیکہ یہ فعل عورت معروف یعنی صحیح اور احسن طریقہ سے کر رہی ہو۔

علماء کے اس گروہ کا احادیث سے استنباط:

یہ گروہ اپنی رائے کی تائید میں آیات قرآنی کے ساتھ مندرجہ ذیل احادیث بھی پیش کرتا ہے۔

پہلی حدیث:

عَنْ نَافِعَ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: «الأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْيَتِيمَةُ تُسْتَأْمَرُ وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا». (128)

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غیر شادی شدہ (أیم) عورت کا اپنے اوپر ولی کی نسبت زیادہ حق ہے اور کنواری سے اسکے نکاح کے بارے میں اسکی اجازت لی جائے اور اسکی خاموشی اسکی اجازت ہے۔

اس حدیث میں لفظ ایم نہایت اہمیت کا حامل ہے جس کے معنی ہیں بغیر "شوہر والی عورت یا لڑکی" اب چاہے اس کی شادی سرے سے ہوئی ہی نہ ہو یا وہ بیوہ یا مطلقہ ہو گئی ہو۔ (129)

128۔ موطا امام مالک کتاب النکاح موطأ مالک ت الأعظمی (39/1)

129۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

دوسری حدیث:

یہ حدیث بھی گزشتہ حدیث کی طرح ہے:

حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، حَدَّثَهُمْ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لاَ تُنْكَحُ الأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ، وَلاَ تُنْكَحُ البِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: «أَنْ تَسْكُتَ» (130)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایم (غیر شوہر والی) عورت کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے صاف صاف زبان سے اجازت نہ لے لی جائے۔ اسی طرح باکرہ کا بھی نکاح نہ کیا جائے جب تک وہ اذن نہ دے۔ لوگوں نے کہا وہ اذن کس طرح دے گی حضور ﷺ نے فرمایا اسکا اذن یہ ہی ہے کہ وہ سن کر چپ ہو جائے۔

تیسری حدیث:

وحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَقَالَ: «الثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ

130۔ صحیح البخاری (17/7) حدیث نمبر: 5136

يَسْتَأْذِنُهَا أَبُوهَا فِي نَفْسِهَا، وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا» ، وَرُبَّمَا قَالَ: «وَصَمْتُهَا إِقْرَارُهَا»(131)

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ثیب (بیوہ یا مطلقہ) عورت اپنی ذات کی زیادہ حق دار ہے اپنے ولی سے اور کنواری سے اسکا باپ اسکی ذات کیلئے اجازت لے اور اجازت اسکا چپ رہنا ہے اور بعض وقت راوی نے کہا کہ اس کا چپ رہنا گویا اقرار ہے۔

چوتھی حدیث:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ جَارِيَةً بِكْرًا أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ «أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ، فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».(132)

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی رسول ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کرا دیا اور وہ اسے ناپسند ہے نبی کریم ﷺ نے اس کو اختیار دے دیا۔

131۔ صحیح مسلم (1037/2): حدیث نمبر: 68-(1421)

132۔ سنن ابی داود (232/2) حدیث نمبر: 2096

پانچویں حدیث:

عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: جَاءَتْ فَتَاةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: " إِنَّ أَبِي زَوَّجَنِي ابْنَ أَخِيهِ، لِيَرْفَعَ بِي خَسِيسَتَهُ، قَالَ: فَجَعَلَ الْأَمْرَ إِلَيْهَا، فَقَالَتْ: قَدْ أَجَزْتُ مَا صَنَعَ أَبِي، وَلَكِنْ أَرَدْتُ أَنْ تَعْلَمَ النِّسَاءُ أَنْ لَيْسَ إِلَى الْآبَاءِ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ "(133)

حضرت بریدۃ سے مروی ہے انہوں نے کہا ایک نوجوان عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور عرض کی کہ میرے والد نے اپنے بھتیجے سے میرا نکاح کر دیا ہے تاکہ میری وجہ سے اس کی رذالت دور کر دیں۔ آپ نے اسے اختیار دے دیا۔ اس پر اس نے کہا میرے والد نے جو کچھ کر دیا ہے وہ مجھے منظور ہے لیکن میری غرض آپ سے پوچھنے کی یہ ہے کہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ نکاح کے بارے میں باپوں کو کوئی اختیار نہیں۔

چھٹی حدیث:

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَمُجَمِّعٍ،

133۔ سنن ابن ماجہ (602/1) حدیث نمبر: 1874

ابْنَيْ يَزِيدَ بْنِ جَارِيَةَ، عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ الأَنْصَارِيَّةِ، أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهْيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ، فَأَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «فَرَدَّ نِكَاحَهُ»(134)

حضرت خنساء انصاریہ کہتی ہیں کہ میرا نکاح میرے والد نے

ایسی جگہ کیا جہاں میں پسند کرتی تھی اور میں ثیبہ تھی میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ ﷺ نے نکاح کرادیا۔

ساتویں حدیث:

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ العَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، قَالَ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [ص:7]، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، جِئْتُ أَهَبُ لَكَ نَفْسِي، قَالَ: فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيهَا وَصَوَّبَهُ، ثُمَّ طَأْطَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

134۔ صحیح البخاری (18/7) حدیث نمبر: 5138

رَأْسَهُ، فَلَمَّا رَأَتِ الْمَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئًا جَلَسَتْ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا، فَقَالَ: «وَهَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ؟» قَالَ: لاَ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ: «اذْهَبْ إِلَى أَهْلِكَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا»، فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ: لاَ وَاللَّهِ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «انْظُرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ»، فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ: لاَ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلاَ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ، وَلَكِنْ هَذَا إِزَارِي - قَالَ سَهْلٌ: مَا لَهُ رِدَاءٌ - فَلَهَا نِصْفُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ، وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ»، فَجَلَسَ الرَّجُلُ حَتَّى إِذَا طَالَ مَجْلِسُهُ قَامَ، فَرَآهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوَلِّيًا، فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَ: «مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ». قَالَ: مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا، عَدَّدَهَا، فَقَالَ: «تَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «اذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ»[135]

135۔ صحیح البخاری (6/7): حدیث نمبر: 5087

ترجمہ: ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا ہم سے یعقوب بن عبداللہ نے بیان کیا، ان سے ابو حازم نے، ان سے سہل بن سعد (رض) نے کہ ایک خاتون رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں اپنے آپ کو ہبہ کرنے کے لیے آئی ہوں۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور پھر نظر نیچی کرلی اور سر جھکا لیا۔ جب اس خاتون نے دیکھا کہ ان کے بارے میں کوئی فیصلہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نہیں فرمایا تو وہ بیٹھ گئی۔ پھر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ میں سے ایک صاحب اٹھے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر آپ کو ان کی ضرورت نہیں ہے تو میرے ساتھ ان کا نکاح کردیں۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دریافت فرمایا تمہارے پاس کچھ (مہر کے لیے) بھی ہے۔ انہوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ، اللہ کی قسم! تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اپنے گھر جاؤ اور دیکھو شاید کوئی چیز ملے، وہ صاحب گئے اور واپس آ گئے اور عرض کیا نہیں، اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! مجھے وہاں کوئی چیز نہیں ملی۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ پھر دیکھ لو ایک لوہے کی انگوٹھی ہی سہی۔ وہ صاحب گئے اور پھر واپس آ گئے اور عرض کیا نہیں اللہ کی قسم، یا رسول اللہ! لوہے کی ایک انگوٹھی بھی مجھے نہیں ملی۔

البتہ یہ ایک تہبند میرے پاس ہے۔ سہل (رض) کہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی چادر بھی (اوڑھنے کے لیے) نہیں تھی۔ اس صحابی نے کہا کہ خاتون کو اس میں سے آدھا پھاڑ کر دے دیجئیے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ تمہارے اس تہبند کا وہ کیا کرے گی۔ اگر تم اسے پہنتے ہو تو اس کے قابل نہیں رہتا اور اگر وہ پہنتی ہے تو تمہارے قابل نہیں۔ پھر وہ صاحب بیٹھ گئے کافی دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد اٹھے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا تو بلوایا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہیں قرآن مجید کتنا یاد ہے؟ انہوں نے بتلایا کہ فلاں، فلاں، فلاں سورتیں مجھے یاد ہیں۔ انہوں نے ان کے نام گنائے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دریافت فرمایا کہ کیا تم انہیں زبانی پڑھ لیتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جاؤ تمہیں قرآن مجید کی جو سورتیں یاد ہیں ان کے بدلے میں میں نے اسے تمہارے نکاح میں دے دیا۔

آٹھویں حدیث:

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا مَرْحُومُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مِهْرَانَ قَالَ سَمِعْتُ ثَابِتًا الْبُنَانِيَّ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ أَنَسٍ وَعِنْدَهُ ابْنَةٌ لَهُ قَالَ أَنَسٌ جَائَتْ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ

اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْرِضُ عَلَيْهِ نَفْسَهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَكَ بِي حَاجَةٌ فَقَالَتْ بِنْتُ أَنَسٍ مَا أَقَلَّ حَيَاءَهَا وَا سَوْأَتَاهْ وَا سَوْأَتَاهْ قَالَ هِيَ خَيْرٌ مِنْكِ رَغِبَتْ فِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَرَضَتْ عَلَيْهِ نَفْسَهَا.(136)

ترجمہ: ہم سے علی بن عبداللہ مدینی نے بیان کیا، کہا ہم سے مرحوم بن عبدالعزیز بصریٰ نے بیان کیا، کہا کہ میں نے ثابت بنانی سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں انس (رض) کے پاس تھا اور ان کے پاس ان کی بیٹی بھی تھیں۔ انس (رض) نے بیان کیا کہ ایک خاتون رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں اپنے آپ کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے پیش کرنے کی غرض سے حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ کو میری ضرورت ہے؟ اس پر انس (رض) کی بیٹی بولیں کہ وہ کیسی بے حیاء عورت تھی۔ ہائے، بے شرمی! ہائے بے شرمی! انس (رض) نے ان سے کہا وہ تم سے بہتر تھیں، ان کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف رغبت تھی، اس لیے انہوں نے اپنے آپ کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے پیش کیا۔

136۔ صحیح البخاری (13/7) حدیث نمبر: 5120

یہ حدیث مبارکہ بخاری شریف کی کتاب النکاح میں وارد ہوئی ہے حافظ ابن حجر عسقلانی[137] اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ مجھ کو معلوم نہیں ہوا کہ یہ کون سی عورت تھی بہر حال ان عورتوں میں سے تھی جنہوں نے اپنے تئیں آنخضرت ﷺ کو بخش دیا۔

قسطلانی نے کہا کہ اس حدیث سے یہ نکلا کہ نیک بخت اور دیندار مرد کے سامنے اگر عورت اپنے تئیں پیش کرے تو اس میں کوئی عار کی بات نہیں البتہ دنیاوی غرض سے ایسا کرنا برا ہے۔

مندرجہ بالا دو جلیل القدر علماء کی آراء سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں اولا یہ کہ ایسے واقعات ایک سے زیادہ مرتبہ رونما ہوئے کہ کسی عورت نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کی ذات اقدس میں بغرض نکاح پیش کیا ہو اور ثانیا یہ کہ عورتوں کو اپنا نکاح خود کرنے یا نکاح کے لیے اپنی رائے کے اظہار کی اجازت نہ ہوتی جیسا کہ علماء کے ایک گروہ کی رائے سے تو کسی عورت کی مجال ہو سکتی تھی کہ دربار رسال میں حاضر ہو اور تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں اپنی اس رائے کا اظہار کرے اور اگر کوئی اس کی جسارت کر بھی لے تو تو حضور ﷺ اس کو اپنے قول یا فعل سے نہ روکیں لہذا یہ حدیث تقریری کے ضمن میں اس مسئلہ کے حوالہ سے آتی ہے کہ ایک فعل حضور ﷺ کے سامنے ہوا اور حضور ﷺ نے اس فعل کے کرنے والے کو نہ روکا نہ منع فرمایا اور نہ ہی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

نویں حدیث:

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، حَدَّثَنِي ابْنُ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، لَمَّا انْقَضَتْ

137۔ تیسیر الباری شرح صحیح البخاری

عِدَّتُهَا، بَعَثَ إِلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ يَخْطُبُهَا عَلَيْهِ، فَلَمْ تَزَوَّجْهُ، فَبَعَثَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَخْطُبُهَا عَلَيْهِ، فَقَالَتْ: أَخْبِرْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي امْرَأَةٌ غَيْرَى، وَأَنِّي امْرَأَةٌ مُصْبِيَةٌ، وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَوْلِيَائِي شَاهِدٌ، فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ: " ارْجِعْ إِلَيْهَا فَقُلْ لَهَا: أَمَّا قَوْلُكِ إِنِّي امْرَأَةٌ غَيْرَى، فَسَأَدْعُو اللَّهَ لَكِ فَيُذْهِبُ غَيْرَتَكِ، وَأَمَّا قَوْلُكِ إِنِّي امْرَأَةٌ مُصْبِيَةٌ، فَسَتُكْفَيْنَ صِبْيَانَكِ، وَأَمَّا قَوْلُكِ أَنْ لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَوْلِيَائِي شَاهِدٌ، فَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَوْلِيَائِكِ شَاهِدٌ وَلَا غَائِبٌ يَكْرَهُ ذَلِكَ "، فَقَالَتْ لِابْنِهَا: يَا عُمَرُ، قُمْ فَزَوِّجْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَزَوَّجَهُ[138]

ترجمہ: ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ان کی عدت پوری ہو گئی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنی شادی کا پیغام بھیجا۔ جسے انہوں نے قبول نہ کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنی شادی کا پیغام دے کر ان کے پاس بھیجا، انہوں نے (عمر رضی اللہ عنہ سے) کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچا دو کہ میں ایک

138۔ سنن النسائی (81/6) حدیث نمبر: 3254

غیرت مند عورت ہوں (دوسری بیویوں کے ساتھ رہ نہ پاؤں گی) بچوں والی ہوں (ان کا کیا بنے گا) اور میرا کوئی ولی اور سر پرست بھی موجود نہیں ہے۔ (جب کہ نکاح کرنے کے لیے ولی بھی ہونا چاہیئے) عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ کو یہ سب باتیں بتائیں، آپ نے ان سے کہا: (دوبارہ) ان کے پاس (لوٹ) جاؤ اور ان سے کہو: تمہاری یہ بات کہ میں ایک غیرت مند عورت ہوں (اس کا جواب یہ ہے کہ) میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے دعا کروں گا، اللہ تمہاری غیرت (اور سوکنوں کی جلن) دور کر دے گا، اور اب رہی تمہاری (دوسری) بات کہ میں بچوں والی عورت ہوں تو تم (شادی کے بعد) اپنے بچوں کی کفایت (وکفالت) کرتی رہو گی اور اب رہی تمہاری (تیسری) بات کہ میرا کوئی ولی موجود نہیں ہے (تو میری شادی کون کرائے گا) تو ایسا ہے کہ تمہارا کوئی ولی موجود ہو یا غیر موجود میرے ساتھ تمہارے رشتہ نکاح کو ناپسند نہ کرے گا (جب عمر رضی اللہ عنہ نے جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب ان کے سامنے رکھا) تو انہوں نے اپنے بیٹے عمر بن ابی سلمہ سے کہا: اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (میرا) نکاح کر دو، تو انہوں نے (اپنی ماں کا) نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔

علماء کے اس گروہ کے عقلی دلائل:

علماء کا یہ گروہ جو ولی کی موجودگی کو نکاح کی ضروری شرط قرار نہیں دیتا وہ اپنی رائے کی دلیل میں آیات قرآنی واحادیث کے علاوہ عقلی دلائل بھی پیش کرتا ہے۔ جو کہ اجمالا درج ذیل سطور میں بیان کئے جائیں گے۔

اول: اس مسلک کی تائید میں امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ اسلام میں عورت اور مرد دونوں پر ذمہ داریاں یکساں اور برابر ہوتی ہیں چاہے ان کا تعلق اہلیت وجوب سے ہو یا اہلیت اداء سے مثلا مالی معاملات میں جو مالی حقوق مرد کو حاصل ہیں وہ ہی عورت کو بھی حاصل ہیں۔

دوئم: اہلیت اداء کے حوالہ سے یہ بات واضح ہے کہ جو حقوق مرد کے ذمہ واجب الاداء ہیں وہی عورت پر بھی ہیں یعنی عورت بھی اپنے تصرفات کی ذمہ داری اس ہی طرح قبول کرتی ہے جس طرح مرد قبول کرتا ہے۔ جس طرح عاقل و بالغ اور راشد مرد معاشرہ میں دوسروں کے حقوق کا بوجھ برداشت کرتا ہے بعینہ اس ہی طرح ایک عاقلہ بالغہ اور راشدہ عورت بھی دوسروں کے حقوق کا بوجھ برداشت کرتی ہے۔

سوئم: شریعت اسلامیہ میں عورت اس لیے حقوق واجبہ کی ادائیگی کی ذمہ دار سمجھی جاتی ہے کیونکہ اس میں ایک مستقل ارادہ پایا جاتا ہے جس کی بناء پر وہ اپنے تصرفات کرتی ہے جو کہ شریعت کی رو سے صحیح اور معتبر سمجھے جاتے ہیں۔

حاصل:

یہ وہ وجوہات ہیں جن کی بناء پر نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ اور اسکو یہ اختیار حاصل ہے اور کسی کو اس پر جبر کا حق حاصل نہیں۔

لیکن امام ابو حنیفہ عورت کے اس حق کو دو شرطوں سے مشروط کرتے ہیں:

اولا: یہ کہ عورت نو نکاح کرے وہ کفو میں کرے

ثانیا: یہ کہ وہ کم از کم نکاح میں مہر مثل مقرر کرے۔

عورت کا ایسا کیا ہوا نکاح جائز اور نافذ سمجھا جائے گا اور عورت کسی گناہ کی مرتکب نہ ہو گی اور نہ ہی یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے حد سے تجاوز کیا۔

اس مسلہ میں احناف میں امام محمد کا قول یہ ہے کہ ایک آزاد عاقلہ بالغہ عورت اگر اپنا نکاح کسی مرد سے خود کرے تو ایسا نکاح اس وقت تک جائز ودرست نہ سمجھا جائے گا جب تک کہ اس عورت کا ولی یا حاکم اس نکاح کو تسلیم کرکے جائز قرار نہ دے دے لہٰذا امام صاحب کے نزدیک اسے نکاح کے مسئلہ میں اسی عورت کے شوہر کو اس کے ولی یا حاکم کی اجازت سے قبل عورت کے پاس جانا جائز نہیں۔ امام صاحب کی رائے میں نکاح عورت کے الفاظ سے منعقد ہوتا ہے اور عورت کی اجازت واذن سے نافذ ہو سکتا ہے۔ نیز امام محمد کی رائے میں یہ بھی ہے کہ اگر عورت کفو میں شادی کرے تو وہ جائز ہو گا کیونکہ عورت کے نکاح میں ولی کی موجودگی اس کی حفاظت اور نگہبانی کی غرض سے ہے اور غیر کفو میں شادی کر لینے سے ولی کو عار اور عورت کو نقصان کا اندیشہ ہے لہٰذا اگر عورت نے اپنی مرضی کے بغیر یا اس کی موجودگی کے بغیر اپنا نکاح کسی کفو سے کر لیتی ہے اور معاملہ حاکم کے پاس جاتا ہے تو امام یوسف کے قول کے مطابق حاکم ایسے نکاح کو محض جائز قرار دے گا لیکن امام یوسف ی رائے میں وہ یہ نکاح دوبارہ کرے گا کیونکہ وہ نکاح جو عورت نے اپنی مرضی سے کیا وہ ولی کی اجازت پر موقوف تھا اور اگر ولی نے اجازت نہیں دی تو وہ باطل ہو گیا لہٰذا حاکم یہ نکاح دوبارہ کرے گا کیونکہ جن کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی حاکم ہے۔

امام ابن رشد القرطبیؒ الاندلسی کی رائے:

اس مسئلہ پر دو فریقین کی آراء پر امام ابن رشد نے ایک جانبدارانہ تبصرہ کیا ہے جس کا ذکر کرنا ہم یہاں مناسب خیال کرتے ہیں۔

امام ابن رشد نے پہلے اس فریق کے دلائل پر تبصرہ کیا ہے اور ان دلائل کا جائزہ لیا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح کرنا جائز نہیں ہے: [(139)]

اولا: ابن رشد فرمائے ہیں جو لوگ سورۃ البقرۃ کی آیات 232 یعنی ﴿**اذا بلغن اجلھن**﴾ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح کرنا جائز نہیں ان کا استدلال درست نہیں۔ کیونکہ دلیل خطاب کے ضمن میں یہ استدلال بطور صریح دلیل نہیں بنتا یعنی یہ کہنا کیونکہ اس آیات میں مخاطب اولیاء ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کو عورت کے نکاح کرانے کا حق حاصل ہے درست نہیں بلکہ اس کے برعکس اس آیت سے یہ مفہوم زیادہ صریح اور واضح انداز میں نکلتا ہے کہ اولیاء کو ان عورتوں کے نکاح کے بارے میں کسی قسم کا عمل دخل ہی نہیں۔

اسی طرح اس فریق کا سورۃ البقرۃ کی دوسری آیت ﴿**ولا تنکحو المشرکین حتی یومنوا**﴾ میں بھی استدلال کمزور معلوم ہوتا ہے۔ اس آیت میں خطاب اولیاء کے بجائے جمیع المسلمین یا اولی الامر یعنی حکام سے زیادہ قرین قیاس ہے یا اگر اس فریق کا استدلال مان بھی لیا جائے تو حد سے حد یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن پاک کی اس آیت میں اولی الامر (حکام) کے ساتھ عورتوں کے اولیاء کے مخاطب ہونے کا احتمال بھی شامل ہے۔ الغرض اس آیت سے یہ ثاب کرنا محال ہے کہ اس آیت میں شارع کے مخاطب صرف اور صرف اولیاء ہیں۔

139۔ بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد، ج 2، فصل الأول فی الأولیاء، یہ فصل باندھی ہے۔ اختلف العلماء ھل الولایۃ شرط من شروط صحۃ النکاح ام لیست بشرط؟/ مجموعہ قوانین اسلام ج 1، ص 81

اس ضمن میں مندرجہ ذیل چند امور غور طلب ہیں:

1- اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت کا حکم عام ہے اور اس میں اولیاء اور اولی الامر دونوں شامل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس آیت مبارکہ میں جو شرعی حکم ہے اس میں مسلمانوں کو ایک شرعی تصرف سے روکا گیا ہے پس اس میں اولیاء اور غیر اولیاء دونوں کی حیثیت مساوی ہو جائے گی لہٰذا اولیاء کی ولایت کی تخصیص یا خصوصیت نہیں رہے گی کیونکہ اس میں اجنبی بھی شامل ہوں گے۔

2- اگر بالفرض محال یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ اس آیت میں خطاب صرف اولیاء کو کیا گیا ہے اور یہ خطاب اس دلیل کے طور پر پیش کیا جائے کہ نکاح کرانے کا حق صرف اولیاء کو حاصل ہے تو یہ حکم فی نفسہ مجمل حکم سمجھا جائے گا جس پر بغیر تشریح کے عمل کرنا محال اور دشوار ہوگا۔ کیونکہ اس آیت میں اولیاء کی اقسام اور اوصاف یا مراتب کا بیان موجود نہیں ہے حالانکہ اس کی واضح ضرورت موجود ہے۔ لہٰذا بغیر تفصیلات کے مجمل حکم کا اطلاق درست نہیں۔

3- اگر متذکرہ بالا اعتراض کے جواب میں یہ کہا جائے کہ قرآن میں کسی مجمل حکم کی تفصیل کی موجودگی ضروری نہیں کیونکہ اس کی تفصیل احادیث میں موجود ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ یہ تفصیل ایسی ہونی چاہئے کہ اس کی حیثیت متواتر کی تعریف میں آتی ہو یا کم از کم متواتر کے قریب ہو۔ کیونکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ امت کے ہر فرد کو اکثر اور ہمیشہ درپیش ہوتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ احادیث کی فصیلات متواتر کی تعریف میں نہیں آتیں۔ اس کے

علاوہ یہ بات بھی حقیقت ہے کہ حضورﷺ کے دور میں ایسی عورتیں موجود تھیں جن کا کوئی ولی نہیں تھا لیکن حضورﷺ نے کسی کو بالتخصیص ان کا ولی مقرر نہیں کیا۔ کیونکہ اگر ہر عورت کا نکاح کے لیے ولی کی موجودگی ضروری ہوتی تو ان عورتوں کی ولایت کا اختیار بھی کسی شخص کو لازما سونپا جاتا۔

4- آخر میں ابن رشد واضح طور پر کہتے ہیں کہ اس آیت کا اصل مقصد ولایت کا حکم بیان کرنا نہیں بلکہ اس کا مقصد مسلمانوں کے لیے مشرکین مردوں سے نکاح کرنے کی حرمت بیان کرنا ہے۔ جیسا کہ اس آیت کے ظاہری متن سے واضح ہے نیز امام ابن رشد یہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ایک اصول بھی بیان کرتے ہیں کہ کسی آیت کے ظاہری معنی اور مطالب بیان کرنے کے علاوہ تکلف سے کوئی اور معنی نکالنا درست نہیں۔

ثالثا: علماء کا یہ گروہ جو اپنی رائے کی تائید میں احادیث سے استدلال کے طور پر حضرت عائشہ کی حدیث بیان کتا ہے۔اس کی صحت اور معنی کے تعین کے سلسلہ میں فقہاء اور محدثین میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس حکم کی صحت وغیرہ کے بارے میں علماء میں اتفاق نہ ہو اس میں عمل کرنا بھی واجب نہیں ہوتا۔

1- اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ وہ لڑکیاں جن کے نکاح کے لیے ولایت شرط قرار دی گئی ہے یعنی نابالغ لڑکیاں صرف ان کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

2- اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ حکم تمام عورتوں کے لیے عام ہے تو پھر یہ کیسے ثابت ہو گا کہ اگر کوئی عورت اپنے جائز ولی سے اپنے نکاح کے لیے عمومی اجازت حاصل کر لے تو اس ولی کا نکاح کے وقت اصالتاً یا وکالتاً موجود ہونا بھی ضروری ہے۔

علماء کے دوسرے فریق کے دلائل کی وضاحت از ابن رشد:

جہاں ابن رشد نے علماء کے اس گروہ پر علمی تنقید کی ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ نکاح میں ولی کی موجودگی ضروری ہے تو ابن رشد نے علماء کے دوسرے گروہ کی رائے کے نکاح میں ولی کی موجودگی اور اس کی رضامندی ضرورت نہیں کی بھی وضاحت کی۔

اولا: علماء کا وہ طبقہ جو کہ عاقل بلاغ باکرہ کے لیے اجازت ضروری نہیں سمجھتا اپنی رائے کے استدلال کے طور پر قرآن کی آیت ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾(140) پیش کرتے ہیں درست نہیں ہے کیونکہ:

1- اس آیت کے ظاہری معنی سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی عورت ولی کی اجازت کے بغیر خود بخود اپنا نکاح تو قابل فخر بات نہیں ہے بلکہ اس کو ملامت کرنا چاہیئے اور اگر اس کا یہ نکاح دستور کے مطابق یعنی معروف طریقے سے نہیں ہے تو اسکا ولی اس کو منسوخ کرا سکتا۔

2- شریعت اسلامی کا مقصد تو یہ ہے کہ عورت کا نکاح اس کے معیار کے مطابق ہو اور اس میں نکاح کے دیگر شرائط کی پابندی کی جائے اور اگر عورت کا ولی یہ

140- البقرۃ: 240

سمجھے کہ لڑکی کا یہ نکاح کفو میں نہیں ہوا یا نکاح کی دیگر شرائط مثلاً مہر مثل گویا نکاح کی بات شریعت کے اصولوں کی پابندی نہیں کی گئی تو اس صورت میں ولی یہ نکاح قرار دے سکتا ہے یا دلوا سکتا ہے۔

ثانیا: علماء کا یہی گروہ اپنی رائے کے استدلال میں قرآن کی اس آیت ﴿أن ینکحن ازواجھن۔۔﴾[141] اور ﴿حتی تنکح زوجا غیرہ۔۔۔﴾[142] پر انحصار کرتے ہیں کہ کیونکہ ان آیات میں فعل نکاح کی نسبت عورت کی طرف بطور فاعل کی گئی ہے اس لیے عورت کو اپنا نکاح کرنے کا خصوصی طور پر عورت کو دیا جاسکتا تھا اگر اس کے مخالف کوئی اور استدلال نہ ہوتا یا کوئی دلیل موجود نہ ہوتی لیکن کیونکہ اس کے خلاف کافی دلائل موجود ہیں اس لیے عورت کا یہ حق کلی نہیں بلکہ مشروط ہے جو کہ عورت کے اپنے حق میں ہے کہ اگر وہ ایسا نکاح کر لیتی ہے جس میں شرائط نکاح پوری نہیں کی گئیں یا نکاح معروف طریقہ سے نہیں کیا گیا تو اولیاء کو اس کے فسخ کرانے کا حق حاصل ہے۔

امام ابن رشد مسئلہ کے اس حوالہ سے یہ نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ صحت نکاح کے کے لیے اولیاء کی شرط لازمی نہیں ہے۔ اولیاء صرف نگرانی کر سکتے ہیں۔ ابن رشد کی رائے امام اعظم ابو حنیفہ کی رائے کے قریب تر ہے۔

141۔ البقرۃ:232

142۔ البقرۃ:230

خلاصہ

جو بحث کتاب کے اس حصہ میں ہوئی ہے اور جو بحث اور ائمہ کے نکتہ ہائے نظر گزشتہ حصہ میں پیش کیۓ گئے ہیں مسئلہ کو سمجھنے کے لیے ان دونوں کو ملا کر پڑھنے اور دیکھنے کی ضرورت ہے۔

بنیادی طور پر احناف اور جمہور میں مولی علیہا یعنی وہ لڑکی جس کا نکاح کرایا جارہا ہے اس کی تقسیم میں فرق کیا ہے۔ احناف نے مولی علیہا کو نابالغ کی دو قسموں میں تقسیم کیا ہے جبکہ جمہور نے مولی علیہا کو بنیادی طور پر اس کے اوصاف جسمانی یا اوصاف ازدواجی کے لحاظ سے تقسیم کرتے ہوئے باکرہ اور ثیبہ کی تقسیم کی ہے۔

اگر اس پہلو سے اس مسئلہ کو دیکھا جائے تو احناف کی تقسیم زیادہ درست اور قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر مولی علیہا کے اوصاف جسمانی ہی کو اصل اور حتمی بنیاد حق ولایت ولی کے اطلاق کا حوالہ سے مان لیا جائے تو ان فقہاء کی طرف سے نابالغ ثیبہ کو ولی کی ولایت اجبار میں رکھنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔

نیز اسی طرح باکرہ بالغہ کو صرف اوصاف جسمانی کی وجہ سے ولی کی ولایت اجبار میں اگر رکھا جاتا ہے تو پھر عانسہ (بقول امام مالک 30 سالہ باکرہ) اور بقول امام حنبل صرف عانسہ (انہوں نے اس کی عمر کا تعین نہیں فرمایا) کو مستثنیٰ از حکم باکرہ کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے۔ دوسری یہ بات ہے کہ امام مالک کی رائے کے مطابق ایسی باکرہ لڑکی جس کو اس کا باپ رشیدہ قرار دے دے وہ بھی اس کی ولایت اجبار سے نکل جاتی ہے۔ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس مسئلہ میں مولی علیہا کی تقسیم بلحاظ اوصاف جسمانی یعنی باکرہ اور ثیبہ کے حوالہ سے کرنا شارع کا مقصود نہیں بلکہ بلوغت کے بعد مولی علیہا کی عقل اور رشیدہ ہی اس کی اصل بنیاد ہے۔

نیز فقہاء کے اس اختلاف کا ایک اور پہلو نہایت لطیف ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فریقین کا بالغہ باکرہ لڑکی سے متعلق نکاح کے معاملہ میں اصل منشاء ایک ہی ہے یعنی اس کے حقوق کی حفاظت اور اس کی سرپرستی۔ احناف نے بالغہ باکرہ کے حقوق کی حفاظت ولایت استحباب کے حوالہ سے کی ہے اور جمہور نے بالغہ باکرہ کے حقوق کی حفاظت اور اس کی سرپرستی بذریعہ ولایت اشتراک بیان فرمائی ہے کہ اگر ایسی لڑکی کسی ایسے نکاح پر مصر ہے جو کہ اس کے حقوق کے منافی ہے تو اس کے اولیاء اس کو ایسا کرنے سے روکنے کا اختیار رکھتے ہیں۔

ہماری دانست میں اس حوالہ سے بالغہ باکرہ لفظ کا اطلاق بلوغت کے بعد کم سنی پر ہو جانا مقصود ہے جس کی حد پچیس سال تک ہے جس کے متعلق تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔ گو اوصاف جسمانی کے اعتبار سے ایک باکرہ لڑکی، یا عورت باکرہ ہی کہلائے گی چاہے اس کی عمر کتنی ہی کیوں نہ ہو جائے۔ لیکن ہماری اس رائے کی بنیاد امام مالک اور امام حنبل کے وہ اقوال ہیں جن سے انہوں نے عانسہ کو نکاح کے معاملہ میں باکرہ بالغہ کے حکم سے فارغ کیا ہے۔ نیز ایسی بلاغہ کو جس کو اس کا باپ سمجھدار یا رشیدہ قرار دے دے۔ واللہ اعلام بالصواب !

پانچواں حصہ

مسئلہ کا معاشرتی اور عملی پہلو

پانچواں حصہ:
مسئلہ کا معاشرتی اور عملی پہلو

یہ مسئلہ جو کہ اس کتاب کا موضوع ہے اپنی نوعیت میں ہمہ گیر بھی ہے اور ہمہ جہت بھی۔ کم وبیش ہر گھرانہ کو کسی نہ کسی طور اس کی توجیہ و تشریح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ہمارا معاشرہ جو کہ تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے اس مسئلہ کے حوالہ سے وفی زمانہ دوراہے پر کھڑا ہے۔ الحمد للہ ہمارے معاشرے میں ابھی خاندانی اکائی مضبوط و مستحکم ہے۔ لیکن دنیا کے دن بدن فاصلہ کم ہو رہا ہے۔ ذرائع ابلاغ خصوصاً مغربی ذرائع ابلاغ کی ثقافتی یلغار نے ہمارے روایتی خاندانی نظام میں بگاڑ پیدا کرنا شروع کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں ہر فرد اور کنبہ کے بڑھتے ہوئے معاشی مسائل اور مشکلات نے خاندان کی وسعت میں کمی لاحق کر دی ہے۔

اس افراط و تفریط کے دور میں بظاہر ہمارے معاشرہ میں بیماری معاشرتی اور مذہبی اقدار کے حوالہ سے دانستہ طور پر ایک الجھاؤ پیدا کیا جا رہا ہے جس سے عصر حاضر کے لوگوں اور آئندہ آنے والی نسلوں میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ ہماری معاشرت جس کی زیادہ تر جڑیں ہمارے مذہب اسلام میں ہیں اور کچھ کا تعلق ہماری روایت سے ہے، نکارہ اور ناقابل عمل ہوتی جا رہی ہیں۔ جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مذہبی معاشرت اور ہماری روایت دونوں کی بنیادیں مستحکم اور مضبوط ہیں جب کہ مغربی معاشرت اس قدر پریشان خیالی، بے راہ روی اور بے مقصدیت کا شکار ہے کہ ان کی حالت بالکل اس شخص کی سی ہے جو اندھیری طوفانی رات میں بھٹک رہا ہو اور جب آسمان پر بجلی کوندے تو اس کی روشنی میں چار قدم اپنا راستہ دیکھ سکے اور اندھیرے

اور طوفان میں گھر جائے۔ انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے ان کی گمراہی حتمی ہے اور وہ یقینا تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں جب کسی مصیبت کی بجلی ان کے سروں پر گرتے ہیں تو اس سے وہ وقتی طور پر کچھ سبق حاصل کر لیتے ہیں اور پھر ان ہی اندھیروں میں بھٹک جاتے ہیں۔ یہ ہم لفاظی نہیں کر رہے بلکہ حقیقت حال یہی ہے۔

جن لوگوں نے ان معاشروں کو قریب سے دیکھا ہے وہ اس کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ ایک عام آدمی کی زندگی ان معاشروں میں کتنی مشکل، تنگ، اکیلی اور پریشان ہے۔ ان معاشروں کی جو جگمگاتی تصویر ہمیں تصویروں یا ذرائع ابلاغ کے ذریعہ دیکھنے کو ملتی ہیں وہ ایک صریح سیراب اور نظر کا دوکھا ہے۔ ان معاشروں کی اس حالت کو پہنچنے کی اصل وجہ مذہب سے دوری skepism روایت سے لاتعلّقی upshort behavior حد سے بڑھی ہوئی انفرادیت over individualism اور سب سے بڑھ کر مادہ پرستی metarialism ہے۔

ہمارے معاشرے میں بھی خرابیاں ہیں لیکن ان کی بنیادی وجوہ اس شدت سے وہ نہیں ہیں جو کہ مغربی معاشرہ کے بگاڑ کا سبب ہیں کیونکہ یہ ضمنی اور جزوی بحث ہے اور اس کتاب کا یہ موضوع نہیں ہے صرف یہاں یہ بحث اس لیے کی جا رہی ہے کہ اس موضوع کا ایک پہلو معاشرتی بھی ہے۔ لہٰذا ہم اختصار سے کام لیتے ہیں:

ہماری دانست میں ہماری معاشرتی الجھاؤ کی بنیادی طور پر مندرجہ ذیل وجوہ ہیں:

1- مذہب اور روایت میں فرق نہ کرنا اور روایت کو مذہب سمجھنا اور اس پر ڈٹ جانا۔

2- حقوق و فرائض میں عدم توازن۔ حقوق کا مطالبہ کرنا اور فرائض سے روگردانی کرنا۔

3- جائز کام کو ناجائز طریقہ سے کرنا۔

4- ناجائز کام کرکے اسے جائز بنانے کی کوشش وکاوش کرنا۔

متذکرہ بالا چاروں وجوہ ایسی ہیں کہ نکاح میں ولی کی حیثیت کے مسئلہ میں معاشرتی لحاظ سے الجھاؤ کا سبب بنی ہیں۔

اولا: لڑکی کے نکاح اور شادی کے حوالہ سے بے شمار ایسی ہندوانہ رسمیں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں جن کو عوام الناس نے مذہب کا جزو سمجھ رکھا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

ثانیا: بطور ولی لڑکی کا نکاح کراتے وقت ان حدود وقیود کا خیال ملحوظ نہیں رکھا جس کی تفصیل ائمہ اور فقہاء نے واضح اور بین انداز میں کتبِ فقہ میں بیان کی ہیں۔

ثالثا: نکاح کے مسئلہ میں ولی جس کو اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کرنے کا جائز حق ہے اس کو اپنی ذاتی مفاد یا منفعت کی خاطر استعمال میں لانا۔

رابعا: بالغ لڑکی جسے نکاح میں اپنی مرضی کا اختیار ہے وہ کسی آشنا کے ساتھ بھاگ کرلے اور اس پر اپنے اس حق شرعی کو دلیل بنا کر اسے جائز قرار دینے کی کوشش کرے۔

کتاب کے اس حصہ میں ہم اس مسئلہ کے انہی پہلوؤں پر غور کریں گے۔

کیا عورت کی مرضی کے خلاف نکاح کیا جاسکتا ہے؟

موجودہ دور میں بالخصوص ہمارے معاشرہ میں اس دقیق مسئلہ کو۔۔۔کہ آیا ایک عورت یا لڑکی اپنی مرضی سے اپنا نکاح کر کستی ہے یا نہیں؟۔۔۔بہت مشتہر کیا جارہا ہے اور اس مسئلہ کے فریقین یعنی وہ گروہ جو کہ یہ خیال کرتا ہے کہ عورت اپنے ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح نہیں کرسکتی اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ عورت کو ولی کی اجازت کی محتاجی نہیں، اپنے اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں اور کوئی بھی اس کا جائزہ عقلی اور نقلی لحاظ سے مان لینے پر تیار نہیں ہے۔

قطع نظر اس بات کے کہ ہمارے اکابر اور مذاہب اربعہ کی اس مسئلہ کے بارے میں کیا آراء رکھتے ہیں (جس کی تفصیل گزر چکی ہے) ہم چاہیں گے اس مسئلہ کے عملی پہلوؤں پر بھی غور کرنے کے لیے چند مفروضات کا منطقی جواب تلاش کریں۔ یا صرف مفروضات ہی بیان کریں تاک مسئلہ فی نفسہ اور اس کے منسلکہ پہلو منکشف ہوسکیں۔ اس بحث کے لیے ہم سرف دو گروہ جو اس مسئلہ کے بارے میں اختلافی بلکہ متضاد آراء رکھتے ہیں ان کے نقطہ نظر سے حل کریں گے۔

مفروضہ اولاً:

ایک عاقل بالغ لرکی ہے اس کا ولی اس کا نکاح ایک لڑکے سے کرانا چاہتا ہے جو کہ ولی کی دانست میں معقول جوڑ ہے۔ لیکن لڑکی کسی بھی ذاتی وجہ سے اس مخصوص لڑکے سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ اب ایسی صورت میں تین باتیں ہوسکتی ہیں:

اولا: لڑکی سے اس کی رائے ہیں نہ لی جائے اور اس کا نکاح اس لڑکے سے کر دیا جائے۔ ایسے رشتہ کا منطقی نتیجہ بعید از قیاس نہیں۔ ہر شخص ایسے رشتہ کے قیام سے پیدا ہونے والے معاشرتی اور نفسیاتی مسائل ہے واقف ہے اور ان کا بخوبی اندازہ کر کستا ہے۔

ثانیا: لڑکی سے اس کی رائے لی جائے اور وہ واضح طور پر اس رشتہ سے انکار کرے لیکن ذاتی اناء اور مفاد کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے اس لڑکی کی اسی لڑکے سے شادی کردے کہ ایک دفعہ شادی ہو جائے تو پھر شادی کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ رویہ بھی ہمارے معاشرے میں عام ہے اور ہم سب اس طور قائم ہونے والے رشتوں، ان کے مسائل اور ان کے انجام سے واقف ہیں اور یہ سمجھنے کے لیے زیادہ عقل مند ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

ثالثا: تیسری صورت یہ ہے کہ لڑکی سے اس کی مرضی معلوم کی جائے اور لڑکی انکار کردے تو لڑکی کے انکار کو حتمی اور اجباری سمجھتے ہوئے یہ رشتہ نہ کیا جائے لیکن یہ عورت کا بنیادی حق ہے۔

ان متذکرہ بالا تین صورتوں میں ظاہر سی بات ہے کہ تیسری صورت ہی قرین انساف ہے اور عقل ودل کو لگتی ہے اور یہی وہ صورت ہے جس میں معاشرہ اور معاشرہ کی بنیادی اکائی یعنی گھرانہ کمزور ہونے سے بچ سکتا ہے۔ اور عورت ظلم وتعدی کا شکار نہیں ہوتی۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے لہٰذا وہ بھی ان مسائل کا وہی حل ہم کو بتاتا ہے جو کہ ہمارا دل اور ہماری عقل ہمیں کہتی ہے۔[143]

جو مفروضہ پہلی مثال میں بیان کیا گیا یہ آج کا مسئلہ نہیں ہے یہ آج سے بندرہ سو سال قبل بھی موجود تھا اور اس کا تدارک اس دور میں ہی ہو چکا تھا بلکہ اس دور کی عورت بھی اس ظالمانہ رویہ کے خلاف سراپا احتجاج تھی اور حضور سرور کائنات ﷺ نے اس کو اس کا حق اسی دور میں دلا دیا تھا لیکن اس کے باوجود ہماری نسلیں اپنی سماجی روایات مذہبی احکامات کا

143۔ ولایت اشتراک کی عملی صورت یہی ہے۔

درجہ دینے لگی ہیں۔ لہٰذا آج نہ سرف ہمارا یہ فرض ہے کہ ان سماجی بندھنوں کی وضاحت کریں بلکہ دین کی اصل روح کو بھی زندہ کریں تاکہ لوگوں کا اس پر عمل آسان اور سہل ہو سکے اور عامۃ الناس نہ صرف لفاظی کے طور پر اسلام کو مکمل ضابطہ حیات نہ کہیں بلکہ اسے برتیں بھی۔ (144)

پہلے مفروضہ کی وضاحت میں ایک حدیث مبارکہ ہے:

عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: جَاءَتْ فَتَاةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: " إِنَّ أَبِي زَوَّجَنِي ابْنَ أَخِيهِ، لِيَرْفَعَ بِي خَسِيسَتَهُ، قَالَ: فَجَعَلَ الْأَمْرَ إِلَيْهَا، فَقَالَتْ: قَدْ أَجَزْتُ مَا صَنَعَ أَبِي، وَلَكِنْ أَرَدْتُ أَنْ تَعْلَمَ النِّسَاءُ أَنْ لَيْسَ إِلَى الْآبَاءِ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ "(145)

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے انہوں نے کہا ایک نوجوان عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور عرض کی کہ میرے والد اپنے بھتیجے سے میرا نکاح کر دیا تاکہ میری وجہ سے اس کی رذالت دور کر دیں۔ آپ نے اسے اختیار دے دیا۔ اس پر اس نے کہا میرے والد نے جو کچھ کر دیا ہے وہ مجھے منظور ہے لیکن میری غرض آپ سے پوچھنے کی یہ ہے کہ عورتوں کو معلوم

144۔ عاقلہ، بالغہ، راشدہ پر ولایت اجبار ولی کو حاصل نہیں

145۔ سنن ابن ماجہ (602/1): حدیث نمبر: 1874 (لفظہ)

وسنن النسائی (86/6) حدیث نمبر: 3269

ہو جائے کہ نکاح کے بارے میں باپوں کو کوئی اختیار نہیں۔

اس حدیث مبارکہ کو پڑھ کر کوئی ابہام باقی نہیں رہتا ہے کہ عورت کا اپنے نکاح کے بارے میں اسلام کی رو سے کیا اختیار ہے۔ اور اس پر اس مسئلہ میں جب کیا جا سکتا ہے یا کہ نہیں۔ اگر ولی کا عورت کی مرضی کے خلاف کیا ہوا نکاح جائز ہوتا تو اس عورت کی جرات نہ ہوتی کہ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آکر یہ سوال کرتی۔ اس واقعہ سے اس مسئلہ کے اور بھی بہت سے پہلو نکلتے ہیں۔

یہ نکاح جس کے بارے میں اس عورت نے اعتراض کیا وہ اس کے ولی نے کیا تھا اور اپنے بھتیجے سے یعنی خاندانی اعتبار سے وہ اس عورت کا کفو یا ہمسر تھا لیکن پھر بھی کیونکہ عورت کو یہ رشتہ منظور نہ تھا لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام اور انصاف کے تقاضہ کے پیش نظر اس عورت کو اختیار دے دیا تھا۔ اور اس سب کے بعد اس صحابیہ کا جذبہ اور ان کی ہمت کہ اس رشتہ سے جو کچھ ان کے دل پر گزری سو گذری انہوں نے وہ تو برداشت کرلی لیکن کیونکہ یہ مسئلہ اس زمانہ میں عام تھا جیسا کہ اسلام سے قبل رواج چلا آرہا تھا کہ عرب قبائلی معاشرہ میں عورتوں کو جانوروں کی طرح سمجھا جاتا تھا اس کی کوئی حیثیت نہ تھی ان کی رائے حتی کہ ان کے اپنی ذات کے فیصلہ کرنے میں بھی نہیں لی جاتی تھی۔ لہٰذا ان صحابیہ نے اس دیرینہ مسئلہ کو ہمیشہ کے لیے حل کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مسئلہ کی کھلی اور دوٹوک وضاحت چاہی۔ انہوں نے یہ ظلم و عضل اپنے اوپر تو برداشت کرلیا لیکن آنے والی نسلوں تک عورتوں کے اس بنیادی حق کے لیے حضور سے وضاحت کروادی کہ ان صحابیہ کے واضح الفاظ ہیں کہ ان کے اس سوال کا مقصد یہی تھا کہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ نکاح کے بارے میں باپوں کو کوئی اختیار نہیں۔

لہٰذا اس حدیث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اسلام کسی ایسے نکاح کو تسلیم نہیں کرتا

جس میں یا تو ورت سے اس کی مرضی نہ پوچھی جائے یا اگر وہ اس نکاح سے انکار کرے تو اس کا نکاح اسی جگہ اس کی مرضی کے خلاف کسی بھی مصلحت کے تحت کر دیا جائے۔

اسی صورتحال یا مسئلہ کی مزید وضاحت دو اور احادیث سے ہوتی ہے:

عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ الأَنْصَارِيَّةِ، أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهْيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ، فَأَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «فَرَدَّ نِكَاحَهُ» . رواه البخاري وفي رواية ابن ماجة نكاح أبيها[146]

خنساء بنت خذام سے روایت ہے کہ ان کے باپ نے ان کا نکاح کر دیا۔ اس حال میں کہ وہ بیوہ تھیں۔ اس نکاح کو انہوں نے مکروہ جانا پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں۔ آپ نے ان کے نکاح کو رد کر دیا۔ روایت کیا بخاری نے، ابن ماجہ کی روایت میں یوں ہے اس کے باپ کا کیا ہوا نکاح رد کر دیا۔

ایک اور حدیث ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ جَارِيَةً بِكْرًا أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ «أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ، فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» .[147]

146۔ صحیح البخاری (18/7) حدیث نمبر: 5138

147۔ سنن ابی داود (232/2) حدیث نمبر: 2096

ترجمہ: ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی حضور ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے باپ نے میرا نکاح جبراً کر دیا ہے۔ میں راضی نہیں ہوں۔ آپ ﷺ نے اس کو اختیار دے دیا۔

ان دو حدیثوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر ولی کا اختیارِ نکاح حتمی ہوتا تو عورتیں اپنی مرضی کے بغیر یا اپنی مرضی کے خلاف کرائے گئے نکاحوں کی شکایت دربار رسالت ﷺ میں نہ لاتیں اور اس پر حضور ﷺ اپنے فیصلہ سے مہر دوام نہ ثبت کرتے کہ جب بھی کسی عورت نے خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ یعنی ایسی عورت جو شوہر دیدہ ہو یعنی مطلقہ یا بیوہ ہو اپنی شکایت نبی کریم ﷺ سے کی تو حضور ﷺ کا ایک ہی فیصلہ رہا کہ ان کا وہ نکاح جو کہ ان کے باپوں نے کرایا تھا رد کر دیا یا عورت کو اختیار کل دے دیا۔ اس سے اصول یہ نکلا کہ ولی عورت کی مرضی کے بغیر کوئی نکاح کروا ہی نہیں سکتا اور اگر کروا دیتا ہے تو ایسا نکاح فوراً قابل نسخ ہے۔ اور عورت عدالت سے محض اس بات پر رجوع کر سکتی ہے کہ اس کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر ہوا تھا اور وہ عدالت سے اس کو صرف اسی بنیاد پر ختم بھی کروا سکتی ہے۔[148]

اسی ضمن کی ایک اور اہم حدیث:

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ يَزِيدَ، وَمُجَمِّعَ بْنَ يَزِيدَ الْأَنْصَارِيَّيْنِ،

148۔ دیکھیں دوسری تجویز؛ کتاب کے آخری حصہ میں

أَخْبَرَاهُ: «أَنَّ رَجُلًا مِنْهُمْ يُدْعَى خِذَامًا أَنْكَحَ ابْنَةً لَهُ، فَكَرِهَتْ نِكَاحَ أَبِيهَا، فَأَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَتْ لَهُ، فَرَدَّ عَلَيْهَا نِكَاحَ أَبِيهَا»، فَنَكَحَتْ أَبَا لُبَابَةَ بْنَ عَبْدِ الْمُنْذِرِ وَذَكَرَ يَحْيَى «أَنَّهَا كَانَتْ ثَيِّبًا»(149)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن یزید اور مجمع بن یزید سے روایت ہے دونوں انصاری تھے کہ ایک شخص نے جس کا نام خدام تھا اپنی بیٹی کا نکاح کردیا اور اس لڑکی نے اپنے باپ کا نکاح پسند نہ کیا۔ اور آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اور آپ سے بیان کیا۔ آپ ﷺ نے باپ کا نکاح فسخ کردیا۔ پھر اس نے ابولبابہ بن عبدالمنذر سے نکاح کیا۔ یحیٰ بن سعید نے کہا مجھے خبر پہنچی کہ یہ لڑکی ثیبہ تھی۔

یہ تو تھیں احادیث۔۔۔ایسی اور احادیث بھی ہیں جو آگے ہم بیان کریں گے۔ اب اس ضمن میں صحابہ کا فعل بھی ملاحظہ ہو:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدِّمَشْقِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نَافِعٍ الصَّائِغُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نَافِعٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، " أَنَّهُ حِينَ هَلَكَ عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُونٍ تَرَكَ ابْنَةً لَهُ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَزَوَّجَنِيهَا خَالِي

149۔ سنن ابن ماجہ (602/1) حدیث نمبر: 1873

قُدَامَةُ، وَهُوَ عَمُّهَا، وَلَمْ يُشَاوِرْهَا، وَذَلِكَ بَعْدَ مَا هَلَكَ أَبُوهَا، فَكَرِهَتْ نِكَاحَهُ، وَأَحَبَّتِ الْجَارِيَةُ أَنْ يُزَوِّجَهَا الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ، فَزَوَّجَهَا إِيَّاهُ"(150)

ترجمہ: عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ جب عثمان بن مظعون کا انتقال ہوا، انہوں نے ایک بیٹی چھوڑی۔ میرا نکاح اس بیٹی سے میرے ماموں قدامہ نے کرادیا اور وہ چچا تھے اس لڑکی کے، اور اس لڑکی سے پوچھا نہیں اور یہ اس وقت کا ذکر ہے جب اس کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ تو اس لڑکی نے اس نکاح کو ناپسند کیا اور اس نے چاہا کہ اس کا نکاح مغیرہ بن شعبہ سے کردیا جائے آخر قدامہ نے اس کا نکاح مغیرہ سے کردیا۔

یہ حدیث دلیل ہے اس باپ پر کہ کوئی لڑکی اپنی مرضی کا اظہار بھی کرسکتی ہے اور اس کی مرضی کو پورا کرنا ضروری بھی ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا کہ ایک لڑکی کے چچا نے اس کا رشتہ اپنے ہی خاندان میں کروادیا اور وہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہتی تھی لہذا بالآخر وہ کیا ہوا نکاح ختم کرنا پڑا اور اسی شخص سے اس لڑکی کا نکاح کرایا گیا جس سے وہ نکاح کرنا چاہتی تھی۔

ایک اور حدیث میں ہے:

150۔ سنن ابن ماجہ (604/1) حدیث نمبر: 1878

11-عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: " أَنَّ امْرَأَةً تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا، ثُمَّ جَاءَ عَمُّ وَلَدِهَا، فَخَطَبَهَا، فَأَبَى الْأَبُ أَنْ يُزَوِّجَهَا، فَأَتَتِ الْمَرْأَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ، فَبَعَثَ إِلَى أَبِيهَا فَحَضَرَ، فَقَالَ: مَا تَقُولُ هَذِهِ؟ قَالَ: صَدَقَتْ، وَلَكِنِّي زَوَّجْتُهَا مِمَّنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ، فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا، وَزَوَّجَهَا عَمَّ وَلَدِهَا "[151]

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک عورت کا شوہر مر گیا۔ اس کے دیور نے اس کے لیے پیغام بھیجا مگر (عورت کا باپ) اس سے نکاح کرنے پر راضی نہ ہوا۔ (چنانچہ) اس نے اس کا نکاح دوسرے سے کر دیا۔ تو عورت نبی ﷺ کی خدمت میں آئی اور آپ ﷺ سے پورا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے اس کے باپ کو بلوایا وہ آیا، اسے آپ نے فرمایا کہ یہ عورت کیا کہتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سچ کہتی ہے۔ مگر میں نے اس کا نکاح ایسے سے کیا ہے کہ دیور سے بہتر ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے شوہر اور بیوی میں تفریق کر دی اور اس کا نکاح اس کے دیور سے (جس کے نکاح پر وہ راضی تھی) کر دیا۔

151۔ مسند ابی حنیفۃ روایۃ الحصکفی، کتاب النکاح، حدیث: 11

یہ حدیث مبارکہ چار مختلف انداز میں بیان ہوئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے مسئلہ میں عورت کی مرضی حتمی اور فائق ہے۔ نہ صرف نکاح کے وقت اس کی مرضی ورضامندی ضروری ہے۔ بلکہ اس کی پسند اور مرضی کو حتمی اختیار بھی شامل ہے حتی کہ اگر ولی اپنی دانست میں عورت کے پسند کردہ رشتہ سے بہتر جگہ بھی رشتہ کر دیتا ہے تو بھی عورت کے پسند کردہ رشتہ سے بہتر جگہ بھی رشتہ کر دیتا ہے تو بھی عورت کی پسند کو ہی فوقیت حاصل ہے اور عمل رسول ﷺ سے ثابت ہے کہ فیصلہ ہمیشہ عورت کے پسند کردہ رشتہ کے حق میں ہی ہوتا ہے۔ حتی کہ اگر نکاح بھی کر دیا گیا ہو تو اس کو بھی فسخ کر دیا جائے گا۔ اور عورت کا وہیں نکاح کرادیا جائے گا جہاں وہ چاہتی ہو۔

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ القَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَمُجَمِّعٍ، ابْنَيْ يَزِيدَ بْنِ جَارِيَةَ، عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ الأَنْصَارِيَّةِ، أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهْيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ، فَأَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «فَرَدَّ نِكَاحَهُ» (152)

ترجمہ: حضرت خنساء انصاریہ کہتی ہیں میرا نکاح میرے والد نے ایسی جگہ کیا جہاں میں پسند نہ کرتی تھی اور میں ثیبہ تھی۔ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے نکاح فسخ کرادیا۔

152۔ صحیح البخاری (18/7) حدیث نمبر: 5138

ہم نے کوشش کی ہے کہ حدیث کی کتابوں سے ان تمام احادیث کو جمع کر دیا جائے جن میں حضور ﷺ نے واضح طور پر یہ حکم فرمایا ہے کہ غیر شادی شدہ عورت کا چاہے وہ کنواری ہو یا مطلقہ یا بیوہ اس کا نکاح ولی کو کرنے کا اختیار نہیں وہ واپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے اپنے نفس کے متعلق فیصلہ کرنے میں۔ لیکن باکرہ یعنی کم سن کنواری لڑکی پر ولی کا اتنا اختیار ہے کہ اس کی اجازت لے کر وہ اس کا نکاح کر سکتا ہے۔ اگر اجازت نہ ہو تو اس کا نکاح بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا تشریح اور تفصیل میں جائے بغیر یہ بات واضح ہو گئی کہ عورت کو کلی طور پر اور اصولی طور پر اپنا نکاح اپنی مرضی سے کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔[153]

153۔ دیکھیں ولایت اشتراک اور ولایت استحباب کا فرق

نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار کس کا ہے؟

اس امر میں کہ عورت کی مرضی کے بغیر نکاح کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ہم اس باب میں تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ آیا عورت کی مرضی کے خلاف نکاح ہوسکتا ہے کہ نہیں؟۔۔۔تو اس کی وضاحت پچھلے باب میں ہوچکی کہ اگر ولی یا کوئی بھی شخص کسی بھی عورت کا نکاح اس کی مرضی کیخلاف کر دیتا ہے تو عورت کو پورا پورا اختیار ہے کہ وہ اس نکاح کو فسخ کرادے اور یہی فعل آنحضرت ﷺ کا رہا ہے کہ جب بھی دربار رسالت میں کوئی عورت یہ شکایت لے کر آتی کہ:

- اس کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر ہوا ہے۔
- یا کسی ایسے شخص سے کر دیا گیا ہے جس سے وہ نکاح نہیں کرنا چاہتی تھی۔
- یا اس شخص سے نہیں کیا گیا جس سے وہ نکاح کرنا چاہتی تھی۔

تو رسالت مآب ﷺ نے اس عورت کو پورا پورا اختیار دیا اور اس کا نکاح فسخ کرادیا۔

ان صورتوں میں ہم نے دیکھا کہ نکاح فسخ ہونے کے بعد ان عورتوں نے ان اشخاص سے شادی کرلی جہاں وہ شادی کرنا چاہتی تھیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ولی کی مرضی اس کی خواہش اور اس کی پسند عورت کی مرضی، خواہش اور اس کی پسند کے مقابلہ میں سنت کی رو سے کوئی حیثیت نہیں رکھتی جب کہ ان دونوں میں اختلاف ہو۔ ہاں ولی کی مرضی وخواہش اور پسند وناپسند عورت کے لیے ایک رائے کی اہمیت ضروری رکھتی ہے لیکن وہ کسی طرح بھی اس کی پابند نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ تمام نکاح جو کہ عورتوں کے ولیوں نے کرائے تھے اور حضور ﷺ نے فسخ کروائے، حضور ﷺ کبھی بھی نہ کرواتے کیونکہ ایسے جس نکاح کی مثال ملتی ہے وہ ولیوں کے کرائے ہوئے تھے اور ولیوں نے اپنی دانست میں مناسب رشتہ

دیکھ کر کئے تھے اور تمام رشتہ کفو کے کلیہ یعنی عورت اور مرد کی ہمسری کو مدِ نظر رکھ کر کرائے گئے تھے لیکن فسخ کرا دیئے گئے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں حتمی اختیار عورت کی پسند اور مرضی کو شامل ہے۔

اب ہم ان احادیث کا جائزہ لیتے ہیں جس میں حضور ﷺ نے شادی کرنے سے پہلے عورت کی اجازت اور مرضی کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے:

حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، حَدَّثَهُمْ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لاَ تُنْكَحُ الأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ، وَلاَ تُنْكَحُ البِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: «أَنْ تَسْكُتَ»(154)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ الایم (یعنی بغیر شوہر والی عورت) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے صاف صاف زبان سے اجازت نہ لے لی جائے۔ اسی طرح باکرہ کا بھی کاح نہ کیا جائے جب تک وہ اذن نہ دے دے۔ لوگوں نے کہا وہ اذن کس طرح دے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کا اذن یہی ہے کہ وہ سن کر چپ رہے۔

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الرَّبِيعِ بْنِ طَارِقٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ،

154۔ صحیح البخاری (17/7) حدیث نمبر: 5136

عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ ، عَنْ أَبِي عَمْرٍو، مَوْلَى عَائِشَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ الْبِكْرَ تَسْتَحِي؟ قَالَ: «رِضَاهَا صَمْتُهَا» [155]

ترجمہ: ابو عمرو (بی بی عائشہ کا غلام) نے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ بی بی صاحبہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کنواری لڑکی تو شرم کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی رضامندی یہی ہے کہ خاموشی ہو جائے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، ح وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، جَمِيعًا عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ، يَقُولُ: قَالَ ذَكْوَانُ، مَوْلَى عَائِشَةَ، سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجَارِيَةِ يُنْكِحُهَا أَهْلُهَا، أَتُسْتَأْمَرُ أَمْ لَا؟ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «نَعَمْ، تُسْتَأْمَرُ» ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ لَهُ: فَإِنَّهَا

155۔ صحیح البخاری (17/7)، حدیث نمبر: 5137

تَسْتَحِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «فَذَلِكَ إِذْنُهَا، إِذَا هِيَ سَكَتَتْ»(156)

ترجمہ: جناب عائشہ نے رسول ﷺ سے پوچھا کہ جو لڑکی ایسی ہو جس کا نکاح کر دیں اس کا اس کے گھر والے تو کیا اس سے بھی اجازت لی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اجازت لی جائے۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ وہ شرماتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اجازت اس کی یہی ہے کہ چپ ہو جائے۔

مسلم کی ایک نہایت اہم حدیث ہے:

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، ح وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَاللَّفْظُ لَهُ، قَالَ: قُلْتُ لِمَالِكٍ: حَدَّثَكَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْفَضْلِ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا، وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا»(157)

ترجمہ: ابن عباس نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ غیر شادی شدہ عورت (ایم) اپنے نکاح میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی

156۔ صحیح مسلم (1037/2): حدیث نمبر: 65-(1420)

157۔ صحیح مسلم (1037/2): حدیث نمبر: 66-(1421)

ہے اور کنواری سے اس کے نکاح میں اجازت لی جائے اور اس کی اجازت چپ رہنا ہے۔

مسلم کی ایک اور حدیث ہے:

وحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَقَالَ: «الثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ يَسْتَأْذِنُهَا أَبُوهَا فِي نَفْسِهَا، وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا» ، وَرُبَّمَا قَالَ: «وَصَمْتُهَا إِقْرَارُهَا»[158]

ترجمہ: اس ہی سند سے مروی ہے ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ثیبہ یعنی شوہر دیدہ اپنی ذات کی زیادہ حقدار ہے اپنے ولی سے اور کنواری سے اس کا باپ اس کی ذات کے لیے اجازت لے اور اجازت اس کی چپ رہنا ہے اور بعض وقت راوی نے کہا کہ اس کا چپ رہنا گویا اقرار ہے۔

یہی وہ بنیادی احادیث ہیں جو کہ متن کے تھوڑے سے ردوبدل کے ساتھ دیگر کتب احادیث میں بھی منقول ہیں جن کو اسی باب میں تفصیلا نقل کیا جائیگا لیکن ابھی تک کی جو احادیث بیان ہوئی ہیں بخاری اور مسلم میں ان کے الفاظ پر اگر غور کیا جائے تو بہت سے امور سامنے آئیں گے اور شاید اس کتاب کے آئندہ ابواب کو سمجھنے میں کارآمد ثابت ہوں گی۔

158۔ صحیح مسلم (1037/2): حدیث نمبر: 68-(1421)

یہ نکتہ قابل غور اور نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ ان احادیث میں عورت کے لیے تین مختلف الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی :

1– الایم

2– الثیبۃ

3– البکر

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ عربی زبان اپنی وسعت میں اور الفاظ کے مترادفات کے ذخیرہ میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس زبان میں ہر ہر لفظ اپنا مخصوص معنی رکھتا ہے اور یہ دوسرا یہ کہ حضور سرور کونین ﷺ فصیح ترین عربی زبان بولا کرتے تھے اور صحابہ بھی ان کی صحبت میں فصیح و بلیغ زبان ہی استعمال کرتے تھے۔ خصوصاً حدیث کی روایت کے وقت صحابہ رسول اللہ کے الفاظ بھی نقل کیا کرتے تھے نہ کہ کسی بات کے معانی و مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کر دیتے تھے اور یہی وہ امر ہے جس نے تاریخ انسانی کو ورطہ حیرت میں ڈالا ہوا ہے کہ صحابہ نے حب رسول ﷺ کے جذبہ میں آپ کے منہ سے ادا ہونے والے ایک ایک لفظ کے نقل میں بھی صحت کا خاص خیال رکھا ہے۔ یہاں عورت کے مترادفات کے لیے یہ تین مختلف الفاظ بے معنی نہیں استعمال کیے گئے۔ ان کی اپنی اہمیت ہے جو کہ اس مسئلہ میں تقریباً کلیدی حدیث کی حامل ہے۔

- الأیم : ایسی عورت کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کہ غیر شادی شدہ ہے۔ اس کے ساتھ کنواری، مطلقہ یا بیوہ کا ہونا شرط نہیں۔
- الثیب یا الثیبہ : ایسی عورت کو کہتے ہیں جو کہ شوہر دیدہ ہو یعنی مطلقہ ہو یا بیوہ ہو۔

- البکر کے معنی ہیں کنواری لڑکی لیکن عموماً کنواری کے ساتھ کم سنی بھی اس کے معنی میں شامل ہوتی ہے۔

لہٰذا متذکرہ بالا احادیث کی روشنی میں ایم اور ثیبہ عورتیں اپنے حق میں نکاح کے معاملہ میں اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہیں اور باکرہ کا نکاح بھی اس کی مرضی اور اس کا اذن حاصل کئے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔[159]

اس ہی ضمن میں دیگر احادیث ملاحظہ ہوں:

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ العَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اليَتِيمَةُ تُسْتَأْمَرُ فِي نَفْسِهَا، فَإِنْ صَمَتَتْ فَهُوَ إِذْنُهَا، وَإِنْ أَبَتْ فَلاَ جَوَازَ عَلَيْهَا.[160]

ترجمہ: روایت ہے ابوہریرہ سے انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ یتیم لڑکی سے اس کے نکاح کے لیے حکم لیا جاوے پھر اگر وہ چپ رہے تو یہی اس کی اجازت ہے اور اگر انکار کیا اس نے تو اس پر زبردستی نہیں کی جا سکتی۔

ابو داؤد کی حدیث:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْفَضْلِ، بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ، قَالَ:

159۔ تفصیلی بحث کتاب کے متعلقہ حصہ میں ملاحظہ ہو۔

160۔ سنن الترمذی ت بشار (408/2):1109

«الثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ يَسْتَأْمِرُهَا أَبُوهَا»[161]

ترجمہ: احمد بن حنبل سے سفیان سے زیاد بن سعد سے عبید اللہ بن فضل سے بھی اسی طرح روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ثیبہ کا اپنے اوپر اپنے ولی سے زیادہ حق ہے اور باکرہ سے اس کا باپ حکم لے۔

161۔ سنن ابی داود (232/2)، حدیث نمبر: 2099

لڑکیاں گھروں سے بھاگتی کیوں ہیں؟

خدا کا شکر ہے کہ ہمارا معاشرہ بلکہ اسلامی ممالک کے تمام معاشرے ابھی تک اندرونی وبیرونی طور سے مربوط ہیں اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارا خاندانی نظام درھم برھم نہیں ہوا۔ ایک خاندان یا کنبہ جو کہ ہر معاشرہ کی اکائی ہے کسی بھی معاشرہ کو اجتماعی اور انفرادی طور پر مربوط رکھنے میں کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ اور ایک کنبہ جو کہ عورت، مرد، بچہ، بوڑھا جوان سب سے مل کر بنتا ہے۔ اس میں عورت کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ چاہے وہ ماں، بہن، یا بیوی کسی بھی حیثیت میں موجود ہو۔

ہمارے معاشرے میں وقت کے ساتھ ساتھ بہت سی معاشرتی خرایاں پیدا ہوتی جارہی ہیں۔ جو کہ کچھ عرصہ قبل ہمارے معاشرہ میں موجود نہیں تھیں اور ظاہر ہے ہ ہر معاشرتی برائی معاشرتی رویوں سے جنم لیتی ہے۔ ان برائیوں میں سے ایک برائی یا خرابی یہ ہے کہ لڑکیوں نے گھروں سے بھاگنا شروع کردیا ہے۔ لڑکیوں نے گھروں سے بھاگنا شروع کردیا ہے کہ مطلب یہ نہیں کہ ہر دوسری لڑکی گھر سے بھاگ رہی ہے بلکہ یہ بات تاریخی تناظر میں کہی جارہی ہے کہ ایک صدی قبل کوئی لڑکی اپنے ماں پاب کے گھر سے بھاگنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور اگر کسی نے اس کی جسارت بھی کی تو وہ واقعہ اتنا اہم اور اچھنبے کا سمجھا گیا کہ اس کی بازگشت علاقہ کی تاریخ وادب تک سے سنائی دی گئ۔ الغرض ہر دور میں کسی بھی لڑکی کا اپنے گھر سے بھاگ جانا کوئی اچھی بات نہیں سمجھی گئ۔ نہ صرف یہ کہ وہ اچھی بات نہیں سمجھی گئ بلکہ اسے نفرت اور مذمت کی نگاہ ہی سے دیکھا گیا۔ یہی ہماری روایت اور معاشرت رہی ہے اور آج بھی ہے۔ یہی وہ امر ہے جس پر ہم آج بھی فخر کرتے ہیں اور کل بھی کرتے تھے۔ یہ واقعات تو ہر گاؤں اور علاقہ میں ہوتے رہتے ہیں اور آج بھی ہو رہے ہیں کہ کسی لڑکی نے گھر سے بھاگنے کی کوشش کی یا یہ قبیح قدم اٹھا بھی لیا لیکن اس

لڑکے کے لواحقین اور ورثاء میں سے کسی نے اس لڑکی کو قتل کر دیا اور خود اپنی خاندانی غیرت قربان ہو گیا۔ بلکہ غیرت کی خاطر لڑکیوں کو قتل کر دینا آج بھی قابل فخر بات ہی سمجھی جاتی ہے۔ آج بھی ہمارے معاشرے کا پڑھے لکھے سے پڑھا لکھا شخص اس بات کا تصور نہیں کر سکتا کہ اس کی بیٹی یا بہن کسی کے ساتھ بھاگ جائے۔ بلکہ کسی شخص کے سامنے اس تصور کے اظہار کا ذکر بھی نہیں کیا جاسکتا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس معاشرت میں اور اتنی مضبوط تاریخی روایات کے باوجود اور انجام کی خبر رکھتے ہوئے بھی لڑکیاں گھروں سے کیوں بھاگتی ہیں؟

اس سوال کا کوئی سادہ سا جواب نہیں دیا جاسکتا۔ صرف یہ بات ضرور کہی جاسکتی ہے کہ ان کے دل ودماغ میں یہ کام کرنے سے قبل کوئی ایسا جذبہ کار فرما ہوتا ہے جو ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور وہ اس فعل کے نتائج کا اندازہ کرنے سے قاصر ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا بنیادی وجہ اس جذبہ کی مغلوبیت کی ہی ہے۔

لیکن وہ کون سے محرکات ہیں جو معاملات کو اس تک پہنچاتے ہیں اور آیا ان کا کوئی تدارک ممکن ہے بھی یا نہیں؟ یہ سوال ان تمام سوالوں سے اہم ہے۔

کسی بھی معاشرہ میں کسی خاص طبقہ میں اگر جرائم کی مقدار میں اگر اضافہ ہوتا ہے تو اس کی بنیادی وجہ اس طبقہ میں اپنے حقوق کے حصول سے متعلق احساس محرومی پایا جاتا ہے۔

جب کسی مخصوص طبقہ کے لوگ ایک معاشرہ میں زیادہ جرم کرنے لگتے ہیں تو اس کی بنیاد اس بات میں ہوتی ہے کہ ان کو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اس معاشرہ میں رہتے ہوئے ان کے لیے اپنے جائز اور بنیادی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل اور ان کے حصول کا

کوئی قانونی یا جائز ذریعہ موجود نہیں ہے۔ اور یہی سوچ ان کا کسی بھی سنگین سے سنگین جرم کی سزا اور اس کے ہولناک نتائج سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

بالفاظ دیگر جب کسی طبقہ کو یہ کامل یقین ہو جائے کہ جس چیز کی وہ خواہش کر رہا ہے وہ باوجود حتی المقدور کوشش وکاوش کے اس کی پہنچ سے باہر ہے تو وہ اس معاشرہ کے قائم کردہ حدود کو توڑ دیتا ہے۔

بعینہٖ کچھ ایسا ہی معاملہ ہمارے معاشرہ کی ان لڑکیوں کا ہے جو اپنے گھروں سے بھاگ جاتی ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے اس سے کسی طور روگردانی نہیں کی جا سکتی نہ ہی اس تلخ حقیقت کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ کہ جو لڑکیاں اتنے سخت معاشرتی دباؤ، اور ایک اقدام کے نتیجہ میں ہونے والے سنگین نتائج کو جانتے بوجھتے یہ اقدام اٹھاتی ہیں۔ وہ اوّلاً تو اس جذبہ سے مخمور ہوتی ہیں جو کہ ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور ثانیاً وہ اپنے تئیں کہیں اس بات کا یقین رکھتی ہیں کہ وہ اپنا ایک بنیادی حق حاصل کر رہی ہیں جو کہ جائز ہے۔ گو اس کا طریقہ مختلف ہے لیکن معاشرہ ان کو یہ حق دلانے سے انکاری ہے۔ لڑکیوں کے اس انتہائی اقدام کے پیچھے یہی دو یقینی اوامر کارفرما ہوتے ہیں۔[162]

حاصل کلام یہ ہوا کہ گھروں سے بھاگنے والی لڑکیاں خواہ وہ معاشرہ کے کسی طبقہ سے تعلق رکھتی ہوں خواہ ان کے گھرانوں کی کی معاشی حیثیت کچھ بھی ہو یہ بظاہر باغیانہ قدم ہے جو وہ مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر اٹھاتی ہیں:

اولا: وہ وقتی طور پر ایک ایسے جذبہ سے مخمور ہوتی ہیں کہ ان کی عقل سمجھ پر پردہ پڑا ہوتا ہے۔

ثانیا: شادی کرنے کو اپنا بنیادی اور جائز حق سمجھتی ہیں۔

162۔ مسئلہ کے حل کے لیے ملاحظہ ہو دوسری تجویز۔

ثالثا: معاشرہ کے دباؤ کے تحت مجبور ہوتی ہیں اور یہ باغیانہ قدم اٹھالیتی ہیں۔

یہ تو ہیں انتہائی اقدام کے محرکات۔۔۔اب اس فعل کے ایک اور پہلو کا جائزہ جو کہ حقیقت پر مبنی ہے وہ بھی لے لینا ضروری ہے اور اس سے بھی روگردانی نہیں کی جاسکتی اور ہر وہ شخص جو اس معاشرہ میں آنکھ کھول کر رہ رہا ہے وہ دل میں ضرور اس کی تائید کرے گا کہ بالعموم ان گھرانوں کی لڑکیاں زیادہ تر گھروں سے بھاگتی ہیں جن گھرانوں میں عورتوں اور لڑکیوں پر زیادہ سختی اور بے جا حدود و قیود عائد کی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی عورتوں پر سختی کر رہا ہوتا ہے وہ صدق دل سے ان کی ہی بہتری سوچ کر کر رہا ہوتا لیکن وہ اپنے متشدد رویہ میں دین اسلام کی حقیقی روح کو بھول جاتا ہے اور عورتوں پر سختی ان پر بے جا پابندی اور ان کے طرح طرح کے استحصال جس کو وہ خود محسوس نہیں کر رہا ہوتا عین مذہب سمجھ کر کر رہا ہوتا ہے۔

اور اس طبقہ میں بھی ہم کو متشدد دین کے مختلف رنگ نظر آتے ہیں مثلا ہمارے معاشرے کا وہ طبقہ جو کہ اس طرز زندگی کا حامی ہے اور اس کو مذہب سے ملاتا ہے اس میں بھی کچھ لوا تنے آگے چلے گئے ہیں کہ لڑکی یا بچی کی تعلیم حتی کہ ابتدائی دینی تعلیم یعنی ناظرہ قرآن پاک پڑھ لینے کی استعداد کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔ کچھ دنیاوی تعلیم دلوانے کے حق میں ہیں لیکن صرف ابتدائی اور علی ہذا القیاس۔۔۔

اور اسی طرح کا فرق ان کے دیگر رویوں میں بھی ہوتا ہے۔ لیکن مذہب یا دین سمجھتے ہوئے اور عورت کی حفاظت کرتے ہوئے اس کو مستور رکھنے کی کوشش میں اس کو اس کے بنیادی حق سے محروم کر دینا بھی ظلم و تعدی سے کم نہیں اور دین سے یہ نادان دوستی اس کی تقویت کا نہیں بلکہ مخالفت کا باعث بنتی ہے۔

اس تمام بحث کرنے کا ہمارا یہ مقصد قطعاً نہیں کہ ہم آزاد اور غیر اسلامی معاشرہ کی حمایت کر رہے ہیں یا بے پردگی اور بے حیائی کا آزادی حاصل ہونی چاہئے اور دین سے نادان دوستی کی نسبت اس کی کھلی دشمنی بہتر ہے معاذ اللہ!

اس ساری بحث کا مقصد یہ ہے کہ جب ہم اپنے کسی بھی انسانی و معاشرتی رویہ میں اس قدر متشدد ہو جاتے ہیں کہ اعتدال اور میانہ روی کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں تو ایک طرح سے ہم نہ صرف اپنی ذات سے زیادتی کر رہے ہوتے ہیں بلکہ اس معاشرہ کے ان اعلی اقدار کو بھی نقصان پہنچا رہے ہوتے ہیں کہ ہم ان اقدار کی حفاظت کر رہے ہیں اور ان کو دام و تقویت بخش رہے ہیں۔

شریعت سے روگردانی کا سبب:

ان سب عوامل کے پیچھے سب سے زیادہ قصور ہمارے اس معاشرہ کا ہے جس نے شریعت کے اس حکم کو کہ عورت کا اولین اور بہترین مقام چادر اور چار دیواری میں ہے کو غلط رنگ دے رکھا ہے اور کئی صورتوں میں تو اسلام کے نام پر عورت کو مال مویشی سمجھا جاتا ہے۔ خصوصاً شادی بیاہ کے معاملات میں تو یہ بات عام ہے کہ شریعت کے ان واضح احکامات کی خلاف ورزی کی جاتی ہے کہ کنواری لڑکی کی شادی کرنے سے پہلے اس کی اجازت یا اس کا اذن لینا لازمی ہے۔ لیکن کچھ لوگ سادگی میں اور کچھ لوگ دیدہ دانستہ اور شرعی حکم کی بجا آوری نہیں کرتے اور اپنی بیٹی یا بہن وغیرہ کو جبراً اس کی شادی پر اپنی سہولت و مفاد کو فوقیت دیتے ہیں جو کہ نہ صرف ایک معاشرتی ناسور کو جنم دیتی ہے بلکہ ایک انسانی زندگی تباہ و برباد کر دیتی ہے اور کئی صورتوں میں تو اس سے بھی زیادہ ہولناک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

اس سنگین جرم کے تدارک کے لیے لازمی ہے کہ اس معاشرہ میں عورت کو اس بات کی واضح اور دوٹوک ضمانت دی جائے کہ شادی سے متعلق اس کے وہ حقوق جو کہ اسلام نے اور شریعت محمدی ﷺ نے اس کو دیئے ہیں ان کا سختی سے نفاذ ہوگا۔ یعنی عدالتوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اگر کوئی لڑکی عدالت میں آکر کہتی کہ اس کی شادی اس کے ولی نے اس کی مرضی کیخلاف کرادی ہے یا اس کی شادی سے قبل اس کی مرضی اور رائے نہیں لی گئی اور اب وہ اس رشتہ سے ناخوش ہے تو ایسا نکاح فوراً فسخ کردیا جائے یہی سنت نبوی ﷺ ہے اور اسی میں ہم سب کی فلاح ہے۔ اگر عدالتیں یہ قانون نافذ کردیں تو لڑکیوں کا گھروں سے بھاگنے کا قبیح فعل کی شرح میں خاطر خواہ کمی ہوگی۔ کیونکہ جب عورت کو اپنی شخصی آزادی کی خاندان کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے ضمانت ہوگی تو اس کا جذبہ بغاوت ماند پڑ جائے گا اور وہ انتہائی قدم اٹھانے سے گریز کریں گے۔

اس مسئلہ کا دوسرا رخ زیادہ اہم ہے کہ ان تمام احادیث وسنت کا یہ مطلب ہر گز ہر گز نہیں کہ لڑکیاں گھروں سے بھاگ جائیں اور اپنی مرضی کا نکاح کروالیں یا چوری چھپے لڑکوں سے آشنائی کرتی پھریں اور بالآخر ان ہی سے نکاح کرلیں اور ان کے ولیوں کو اس کی خبر تک نہ ہو!!!۔۔۔اور جب خبر ملے تو معلوم ہو کہ ان کی لڑکی تو نکاح کرلیا ہے کیونکہ یہ اس بنیادی حق تھ اور شرعی ثبوت کے طور پر ان احادیث کو بطور تاویل پیش کیا جائے۔ لہٰذا مندرجہ ذیل قانون سازی کی فی زمانہ ضرورت ہے:

1- اگر پچیس سال[163] سے کم عمر لڑکی گھر سے بھاگ کر ولی اور دیگر اقارب کی مرضی کے خلاف اپنی پسند سے شادی کرلیتی ہے تو ایسا نکاح باطل ہوگا۔
2- اور ایسا نکاح کرنے والے اور کروانے والے سب کے لیے تعزیر متعین کی جانی

163۔ دیکھئے "راشدہ" کی تفصیل

چاہئے خواہ خفیف ترین ہی کیوں نہ ہو۔

مذ تذ کرہ بالا رائے اسلام کے مطابق ہے اور صحابہ کے افعال سے بھی یہ ثابت ہے، نیز احادیث مبارکہ اس ضمن میں موجود ہیں۔ اس بحث میں سب سے اہم چیز لڑکی کی عمر کا تعین ہے جو کہ ہم نے کیا ہے جس کی ہماری دانست میں ایک خاص اہمیت ہے اور تعین کا شرعی جواز بھی موجود ہے۔ یہ ایک تفصیلی بحث ہے جو کہ اس کتاب میں اپنے مقام پر موجود ہے۔ اس رائے کو اس سے ملا کر پڑھنے کی ضرورت ہے۔

ہماری جو رائے تعزیر کے قیام کی ہے اس متعلق چند احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ , قَالَ: جَمَعَتِ الطَّرِيقُ رَكْبًا فَجَعَلَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُمْ ثَيِّبٌ أَمْرَهَا بِيَدِ رَجُلٍ غَيْرِ وَلِيٍّ فَأَنْكَحَهَا فَبَلَغَ ذَلِكَ عُمَرَ «فَجَلَدَ النَّاكِحَ وَالْمُنْكِحَ وَرَدَّ نِكَاحَهَا»

ترجمہ: حضرت عکرمہ بن خالد سے مروی ہے انھوں نے کہا میں راستے میں قافلہ سے ملا ان میں ایک بیوہ عورت بھی تھی جس کا معاملہ ایک آدمی کے اختیار میں تھا جو اس کا ولی نہ تھا۔ اس نے اس کا نکاح کر دیا۔ حضرت عمر کو بھی خبر ہو گئی آپ نے نکاح کرنے والے اور نکاح کرنے والی دونوں کو مارا اور نکاح تڑادیا۔

ایک اور واقعہ ہے:

عَنِ الشَّعْبِيِّ , قَالَ: «مَا كَانَ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ فِي النِّكَاحِ بِغَيْرِ وَلِيٍّ مِنْ عَلِيٍّ رَضِيَ

اللَّهُ عَنْهُ وَكَانَ يَضْرِبُ فِيهِ»[164]

ترجمہ: علامہ شعبی سے مروی ہے انہوں نے فرمایا صحابہ کرام میں اتنی سختی کرنے والا نہ تھا جتنا کہ حضرت علی تھے آپ ایسے لوگوں کو مارا کرتے تھے۔[165]

اوپر بیان کردہ دو احادیث ہماری اس رائے کو تقویت دیتی ہیں کہ ایسا نکاح گو کہ ولی کی دم موجودگی کی وجہ سے باطل قرار دیا جائے اس کا نکاح کرنے والے اور کرانے والے دونوں پر تعزیر کا اطلاق ہوگا۔

اگر عدالتیں ان شرعی احکامات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرنے لگیں اور مقنّنہ ان دائمی شرعی اصولوں کے تحت قانون سازی کرلے تو یقین سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہمارے معاشرہ سے نہ کوئی لڑکی کبھی گھر سے بھاگے اور نہ ہی کوئی لڑکا یا شخص کسی لڑکی کو ورغلا کر گھر سے بھاگنے کی پڑی پڑھائے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ عورتوں کو اس بات کی حتمی ضمانت ہونی چاہئے کہ کوئی شخص چاہے ولی کی صورت میں وہ لڑکی کا باپ ہی کیوں نہ ہو ان پر اپنی مرضی کے بغیر ممکن نہیں ہوگا اور اگر کسی نے زبردستی ایسا کر بھی لیا تو ایسا نکاح فوراً شریعت محمدی کے مطابق فسخ ہو جائے گا۔

164۔ سنن الدار قطنی (328/4) حدیث نمبر: 3543

165۔ دیکھیں تیسری تجویز اسی کتاب کے آخری حصہ میں

تصویر کا دوسرا پہلو:

جب بھی کوئی معاشرتی خرابی ہوتی ہے تو اس کے کئی پہلو ہوتے ہیں اور اس کی کئی شکلیں ہوتی ہیں۔ لڑکیوں کا بغیر ولی کے اپنی مرضی سے نکاح کر لینے سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ گزشتہ باب میں ہم نے کوشش کی کہ مختصراً اُن کے محرکات کا جائزہ لیا جائے اور ان کے تدارک کا معقول اور قابل عمل حل پیش کیا جائے کہ شریعت نے ہمیں بتایا ہے لیکن جیسا کہ پہلے بھی ذکر آچکا ہے کہ چند لاعلم لوگوں نے یا کچھ مفاد پرست افراد نے عورت کو اس قدر حقیر بنا دیا ہے کہ وہ ان کی نزدیک جانوروں کا درجہ رکھتی ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ اس قابل مذمت رویہ کو اسلام اور شریعت محمد ﷺ کا نام دیا جاتا ہے۔

بد قسمتی سے ہمارے معاشرہ میں ایسی مثالیں موجود ہیں جہاں کمسن لڑکیوں کے ولی ان لڑکیوں کے باپ یا بھائی ولی کی حیثیت کا ناجائز اور غیر قانونی فائدہ اٹھائے ہوئے اپنی لڑکیوں کو نکاح کے نام پر فروخت کرتے ہیں۔ با قاعدہ ان کی نیلامی ہوتی ہے۔ بولی لگانے والا لڑکی سے نکاح کر لیتا ہے۔ یہ ہمارے معاشرہ کی زندہ تصویر ہے اور شاید ہی کوئی شخص اس سے انکاری ہو کہ ایسا نہیں ہوتا۔ کچھ علاقوں میں یہ بھی رواج ہے کہ لڑکیوں کے ولی ان سے نکاح کرنے کے لیے مخصوص قیمت متعین کر دیتے ہیں اور جو کوئی ان کو وہ قیمت ادا کر دیتا ہے وہ اس سے اس کا نکاح پڑھوا دیتے ہیں۔ ان کو اس سی کوئی غرض نہیں ہوتی کہ:

- وہ شخص کون ہے؟
- کیا کرتا ہے؟!
- کس عمر کا ہے؟!
- کس نسل سے ہے؟!
- اور ان کی لڑکی سے کیسا برتاؤ کرے گا؟!

ان لوگوں کا اصل مطمع نظر تو صرف اور صرف پیسہ ہوتا ہے!!!

اور مشاہدہ میں آیا ہے کہ ایسے تمام لوگ جو کہ ہوس پرستی کا شکار ہوتے ہیں ان لوگوں کو لالچ اور انسانی گراوٹ کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں اور عموما پیسے دے کر نکاح کرکے اپنے ساتھ لڑکی کو لے جانے والے لوگ اس لڑکی سے انسانیت سوز برتاؤ کرتے ہیں اور اکثر ان سے پیشہ کراتے ہیں۔ اور جس طرح گھروں سے بھاگنے والی لڑکیاں نکاح میں اپنی مرضی اور اذن کے اختیار کو جواز بناتی ہیں اسی طرح یہ لوگ اسلام میں دیئے گئے ولی کے اختیار کو جواز کے طور پر پیش کرتے ہیں حالانکہ دونوں کا شریعت کے نفیس اور قابل عمل اور قابل فخر نظام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ دور کا واسطہ بھی نہیں۔ واسطہ تو درکنار یہ قبیح رویہ تو اسلام کی بنیادی روح سے متصادم ہے۔

اس کے علاوہ ولی کے اختیار کو غلط، ناجائز، غیر قانونی اور غیر اسلامی طور پر استعمال کرنے کے اور بہت سے طیرقے ہمارے معاشرہ میں مروج ہیں۔ مثلا کئی وڈیرے اور جاگیردار اپنی اور بسا اوقات اپنی بیٹیوں کی ساری عمر شادی اس خوف اور خود غرضی کی وجہ سے نہیں کرتے کہ ایسا کرنے سے ان کی جاگیر اور جائیداد کے مزید وارث اور حصہ دار پیدا ہو جائیں گے۔[166] اس سے بھی زیادہ یہ رواج ورسم تو نہایت عام ہے کہ کہ ایسے جاگیردار اپنی لڑکیوں کی شادی نوے فیصد اپنی جاگیرارانہ مفادات کو مد نظر رکھتے ہوئے کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں لڑکی کی مرضی تو درکنار، اس سے اس ضمن میں رسما بھی رائے نہیں لی جاتی۔ اب دیکھا جائے تو سب کچھ اسلام کے نام پر کیا جارہا ہے جس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔۔۔

آخر اس کا کیا حل ہے؟!!

166۔ بدقسمتی سے جہالت کی ایک اصطلاح رائج کردی گئی ہے کہ لڑکی کی شادی قرآن سے کردی گئی ہے جوکہ ایک صریح ظلم ہے۔

ہماری رائے میں ایسے تمام نکاح جس میں لڑکی کی مرضٰ نہ شامل ہو یا وہ اس کی مرضی کے خلاف کر دیئے گئے ہوں یا اس سے سرے سے رائے لی ہی نہ گئی ہو سب کے سب قابل فسخ ہیں اور یہی سنت رسول ﷺ اور شریعت الٰہیہ ہے۔

اگر کوئی لڑکی عدالت میں محض اس بنیاد پر تنسیخ نکاح کی درخواست کرتی ہے کہ اس کا نکاح متذکرہ بالا کسی صورت میں جبراً یا اس کی عدم رضا واذن کے کروایا گیا ہے تو نہ صرف اس کا نکاح فوراً فسخ کرا دیا جائے بلکہ ایسے نکاح کروانے والوں کے لیے سخت تعزیر کا بھی حکم صادر فرمایا جائے۔

اگر اس طور قانون سازی کرلی جائے کہ اسے اولیاء جو اپنی لڑکیوں کو اپنی دنیاوی خواہشات یا مفادات کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں ان کو اس جرم کی پاداش میں سزا مل سکتی ہے تو اسلام کے نام پر یہ انسانیت سوز جرم ہو سکتا ہے۔ نیز ان لڑکیوں سے نکاح کرنے والے بھی محتاط ہو جائیں کہ لڑکی کی طرف سے دعوی یا شکایت کی صورت میں نکاح تو فسخ ہوتا ہی مزید تعزیری سزا ملنے کا بھی احتمال ہو سکتا ہے۔(167)

اس اہم مسئلہ کے اس پہلو میں بھی لڑکی کی عمر اور اس کے اختیار نکاح والی بات کو خوب اہمیت حاصل ہے کہ اگر ایک مخصوص عمر جو کہ ہماری رائے میں زیادہ سے زیادہ پچیس سال ہونی چاہیئے کے بعد لڑکی کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ اپنی مرضی سے ولی کی موجودگی کے بغیر اور اس کی مرضی کے خلاف بھی نکاح کر سکتی ہے تو اس سے یہ ہوگا کہ اس تاریک ماحول میں بھی امید کی کرن موجود ہوگی اور وہ عورتیں جو کہ ساری عمر غیر شادی شدہ زندگی گزارنے پر مجبور کی جاتی ہیں وہ مجبور نہیں کی جا سکیں گی اور یہی بات قرین انصاف اور قرین قیاس لگتی ہے۔

167۔ دیکھیں تیسری تجویز اسی کتاب کے آخری حصہ میں

گھر سے بھاگ کر شادی کرنا

جیسا کہ اس کتاب کے دیگر ابواب میں اس بات پر تفصیلا اور صراحیت کے ساتھ بحث کی گئی ہے کہ دین اسلام نے دین فطرت ہونے کے ناطے ایک عاقلہ بالغہ لڑکی کو یہ حق دیا ہے کہ وہ شادی اپنی مرضی سے کر کستی ہیے لیکن اس کا یہ حق چند باتوں سے مشروط ہے جس کی تفصیل بھی بیان کی جاچکی ہے اور اس سارے مسئلہ کی حکمت بھی ہے کہ اسلام میں نکاح ایک شرعی معاہدہ ہے اور اس کے کچھ شرعی لزوم و تقاضے ہیں۔

--دوم یہ کہ اسلام ایک مخصوص پاکیزہ معاشرے کی تعمیر کا دائی ہے۔

--اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی معاشرے کی بنیادی اکائی کنبہ ہے نہ کہ فردِ واحد کیونکہ اس میں ہر ایک راعی اور ہر ایک مسوئل ہے اپنی رعیت کے بارے میں۔

اسی تناظر میں اس مسئلہ کے اس پہلو کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ جہاں اسلام نے لڑکی کے ولی پر اس کی شادی کرنے کے حق کو استعمال کرنے کے لیے قدغنیں لگائی ہیں یا یہ کہیں کہ اس حق کے استعمال کے حدود وقیود اور طریقہ کار اور مصالح واضح بیان کئے ہیں اسی طرح ایک بالغ لڑکی کو اسلام نے قطعی طور پر یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی شادی کے بارے میں اور زندگی کے اہم ترین فیصلہ میں مختار ہے اور دیگر تمام افراد اس کی اجازت اور اذن کے پابند ہیں لیکن بالغ لڑکی کو بھی اپنی اس حق کو استعمال کرنے میں مادر پدر آزادی نہیں دی گئی کہ جیسے، جب اور جہاں چاہے اس حق کو استعمال کرے اور یہ کوئی اچھوتی بات نہیں ہے دین اسلام کی حکمتیں تو بہت بڑی بات ہے۔ ہمیں اس امر کی مثال انسانی ذہن سے وضع کردہ قوانین سے بھی ملتی ہے کہ جب بھی کسی فرد کو کوئی قانونی حق حاصل ہوتا ہے تو اس حق کے استعمال کا طریقہ کار بھی بتایا جاتا ہے۔ اور اگر وہ حق اس بنائے ہوئے طریقے کار کے مطابق استعمال نہ کیا جائے تو بیشتر صورتیں ہیں وہ حق زائل ہو جاتا ہے یا وہ فرد اس حق کے استعمال

میں غلط طریقہ کار اپنائے تو اس حق کے اثرات سے محروم ہو جاتا ہے وغیرہ۔ یہ ہی مسئلہ ہے ان لڑکیوں کا جو اپنے گھروں سے بھاگ کر چوری چھپے شادیاں کرتی ہیں۔

ایک جائز حق کے استعمال کا غلط طریقہ:

گھر سے بھاگ کر شادی کر لینے کی مثال بالکل اس ہی طرح ہے کہ کوئی شخص اپنے ایک جائز حق کا استعمال غلط طریقہ سے کرے لہٰذا اس کا نتیجہ بھی منطقی اور واضح ہے کہ قانوناً اخلاقاً اور شرعاً وہ لڑکیاں اپنے اس حق کے مکمل ثمرات سے محروم ہو جاتی ہیں۔ اس ضمن میں محترم جسٹس ڈاکٹر محمود احمد غازی[168] کی رائے غور طلب ہے فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں امام ابو حنیفہ اور حنفی فقہاء کا یہی نقطہ نظر ہے جو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی عاقل بالغ لڑکی اگر اپنی مرضی سے شادی کرنا چاہے تو اس کا ولی (باپ دادا وغیرہ) اس کو نہیں روک سکتے۔ وہ خود شادی کر سکتی ہے اور اس لیے ولی کی موجودگی، اجازت یا رضامندی ضروری نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ اجازت شرعی حدود کے اندر رہ کر ہی استعمال کی جا سکتی ہے نو عمر لڑکیوں کا محلّہ کے لڑکوں سے خفیہ تعلقات قائم کرنا اور پھر ان کے ہمراہ چھپ کر بھاگ جانا اور جب پکڑے جائیں تو شادی کی ازادی اور ولی کی رضامندی کے غیر ضروری ہونے کا سہارا لینا قطعاً غلط اور خلاف شریعت ہے۔ جس کی کسی بھی فقہ نے اجازت نہیں دی بلکہ ایسے حالات جس میں دونوں مستوجب تعذیر ہوں گے۔ اس لیے کہ کسی نوجوان لڑکی کا غیر محرم کے ساتھ بھاگ جانا اور اس کے ہمراہ غائب رہنا شرعاً ناجائز و حرام ہے۔ اور کسی بھی ناجائز اور حرام فعل کے ارتکاب پر کوئی مناسب سزائے تعزیر مقرر کرنا حکومت وقت کا فرض ہے۔ نکاح کے صحیح ہونے سے قطع نظر یہ بات تو بہر حال غیر اخلاقی اور غیر اسلامی ہے کہ نکاح سے قبل ہی لڑکیاں خفیہ طور پر اپنے آشناؤں کے ہمراہ بھاگ جایا کریں۔

168۔ احکام بلوغت نیز کتاب کے آخری حصہ میں دیکھیں تیسری تجویز

جن احادیث میں ولی کی اجازت کے بغیر جوان کنواری لڑکیوں کو شادی کرنے کی ممانعت کی گئی ہے وہ غالباً اخلاقی ہدایت ہے۔ (احکام بلوغت)

خفیہ نکاح:

خفیہ نکاح کے بابت امام مالک کا قول ہے کہ یہ نکاح کا اعلان کرنا شرط ہے اور اپنی اس رائے کی دلیل وہ مندرجہ ذیل دو احادیث پر رکھتے ہیں:

ایک تو یہ کہ:

وَقَدْ رُوِيَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنَّهُ نَهَى عَنْ نِكَاحِ السِّرِّ (169)

ترجمہ: کہ نبی کریم ﷺ نے خفیہ نکاح کرنے سے منع فرمایا۔

اور دوسرا:

اعلنوا النکاح ولو بالدف (170)

ترجمہ: نکاح کا اعلان کرو خواہ وہ دف کے ذریعے ہی ہو۔

امام صاحب کی یہ رائے کہ خفیہ نکاح سے آپ نے منع فرمایا ہے اور نکاح کا اعلان کرنے کا حکم دیا۔ ان کا استدلال منطق کے اس اصول پر قائم ہے کہ جس فعل کو منع کیا جاتا ہے

169۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (252/2)

170۔ سنن الترمذی (390/3) حدیث نمبر 1089

اس میں اس کی ضد کرنے کا حکم پوشیدہ ہوتا ہے لہٰذا نکاح کا اعلان ضروری ہے اور امام کا نکاح کے اعلان کرنے کو جواز نکاح قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ نکاح کو اعلان کے ذریعہ زنا سے ممیّز کرنا چاہیئے۔

یہی وجہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک اعلان نکاح وجوب کا درجہ رکھتا ہے۔

اس ضمن میں ترمذی میں حضرت ابن عباس سے ایک حدیث مروی ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

«البَغَايَا اللَّاتِي يُنْكِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ» (171)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ بدکار عورتوں میں وہ بھی شامل ہیں جو بغیر کسی گواہ کے خود اپنی شادیاں کرتی پھرتی ہیں۔

نکاح کے لیے شریعت نے اعلان اور گواہوں کے وجود کو اس لیے ضروری قرار دیا ہے کہ جائز شادی کو ناجائز تعلقات اور خفیہ میل جول سے ممیّز کیا جائے لہٰذا جو عورتیں خفیہ شادی بیاہ کرتی پھرتی ہیں وہ شریعت کے اس مقصد کو نقصان پہنچانے کی مرتکب ہوتی ہیں اور معاشرہ میں بدکاری اور ناجائز تعلقات کو فروغ دینے کا سبب بنتی ہیں۔

سعید بن المسیب کی رائے:

سعید بن المسیب جن کا حدیث میں ایک بلند مقام ہے موطأ امام مالک میں انکے حوالہ سے ایک روایت ہے:

171۔ سنن الترمذی ت شاکر (403/3) حدیث نمبر: 1103

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ: لاَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ إِلاَّ بِإِذْنِ وَلِيِّهَا، أَوْ ذِي الرَّأْيِ مِنْ أَهْلِهَا، أَوِ السُّلْطَانِ.[172]

ترجمہ: سعید بن المسیب (تابعی) سے روایت ہے: انہوں نے فرمایا عورت کو چاہئے کہ اپنے ولی، یا اپنے اہل خاندان میں سے کسی صاحب الرائے شخص یا حکومت کی اجازت کے بغیر شادی نہ کرے۔

سعید بن المسیب کا نوجوان خواتین کو یہ مشورہ نہایت مناسب ہے کہ:

شادی کے معاملات طے کرتے وقت اپنے ولی یا کسی سمجھدار رشتہ دار یا متعلقہ سرکاری حکام (موجودہ دور میں فیملی کورٹ کے جج) سے اجازت ضرور لے لیں بالخصوص موجودہ دور میں جب کہ شریعت کے دیئے ہوئے اس اختیار کو یہ ایک عاقل بالغ لڑکی جو اپنی شادی کے معاملہ میں خود مختیار ہے، غلط طور پر استعمال کیے جانے کی مثالیں عام ہیں ایسا کرنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی ایسا قانون بنا دیا جائے جس کی رو سے ولی یا حکومت کی اجازت کے بغیر چوری چھپے شادی رچا لینے والی نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کو مناسب سزا دی جا سکے تو ایسا قانون سعید بن المسب کے اس فتوی کی رو کے عین مطابق ہوگا۔ (احکام بلوغت)

حضرت عمر بن الخطاب کی رائے:

172۔ موطأ مالک ت الأعظمی (749/3) حدیث: 1915

خفیہ نکاح سے متعلق فاروق اعظم کی بھی رائے یہ یہ ہے کہ یہ قابل تعزیر جرم ہے جس کی وضاحت مندرجہ ذیل روایت سے ہو جاتی ہے۔

مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ؛ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، أُتِيَ بِنِكَاحٍ،

لَمْ يَشْهَدْ عَلَيْهِ إِلاَّ رَجُلٌ، وَامْرَأَةٌ. فَقَالَ: هٰذَا نِكَاحُ السِّرِّ. وَلاَ أُجِيزُهُ. وَلَوْ كُنْتُ تَقَدَّمْتُ (1) فِيهِ، لَرَجَمْتُ. (173)

ترجمہ: حضرت ابو الزبیر مکی سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب کے پاس ایک ایسا نکاح لایا گیا جس پر صرف ایک مرد اور ایک عورت گواہ تھے۔ فرمایا یہ پوشیدہ نکاح ہے میں اس کی اجازت نہیں دیتا اور اگر میں نے پہلے اعلان کر دیا ہوتا تو اب ان سب کو سنگسار کر دیتا۔

حضرت عمر کی اس رائے سے صورتحال بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ایسا نکاح جو کہ چھپ کر کیا جائے اس پر تعزیر قائم کرنا درست ہے۔

173۔ موطأ مالك ت الأعظمي (3/767) حديث: 1960

چھٹا حصہ

مسئلہ کا قانونی پہلو اور تجاویز

چھٹا حصہ:
مسئلہ کا قانونی پہلو اور تجاویز

اس ہمہ وقت بدلتی دنیا اور تغیر پذیر معاشرتی حالات اس پر اسلام دشمن عناصر کی بڑھتی ہوئی فتنہ پردازیاں اور ان کے نت نئے انداز اس بات کے متقاضی ہیں کہ دین اسلام کی اصل روح کو بنیاد بنا کر موجودہ قانون میں ایسی شقیں شامل کی جائیں یا ضروری ترمیم کی جائے جن سے یہ معاشرہ اس مسئلہ کے مالح سے فائدہ اٹھا سکے اور دنیا پر یہ عیاں ہو جائے کہ اسلام کے مسائل میں کیسی کیسی حکمتیں مضمر ہیں جن میں فرد واحد اور تمام معاشرہ کی فلاح موجود ہے۔

کسی بھی قانون سازی کی بنیادی وجہ افراد کے درمیان یا فرد اور معاشرہ کے درمیان حقوق و فرائض کا توازن برقرار رکھنا ہوتی ہے۔ کیونکہ جب حقوق و فرائض کا توزن بگڑ جاتا ہے تو نہ صرف کسی نہ کسی کی حق تلفی ہو رہی ہوتی ہے بلکہ معاشرہ میں بگاڑ بھی پیدا ہوتا ہے۔

نکاح میں ولی کی حیثیت کے مسئلہ کی بھی کچھ ایسی ہی صورتحال ہے کہ مسئلہ ہمہ جہت نوعیت کا ہے۔ اس میں اسلام نے فرد اور فرد کے مابین حقوق و فرائض کا ایک حسین توازن برقرار رکھا ہے اور کیونکہ اس کی نوعیت مذہبی کے ساتھ ساتھ معاشرتی بھی ہے لہٰذا فرد اور معاشرہ کے درمیان بھی حقوق و فرائض کا بھی توازن رکھا گیا ہے۔

ہماری دانست میں اس مسئلہ کے ان پہلوؤں کی بابت قانون سازی کی ضرورت ہے جن پہلوؤں سے یہ اندیشہ لاحق ہو سکتا ہے کہ کوئی ایک طرف اپنے حقوق سے تجاوز کر جائے یا یہ کہ کوئی ایک طرف اپنا جائز حق ناجائز طریقہ سے استعمال کر سکتا ہو۔ کیونکہ یہ دونوں ہی صورتیں ایسی ہیں کہ ان سے نہ صرف دوسری طرف کے کچھ نہ کچھ حقوق تلف

ہوتے ہیں بلکہ مجموعی اعتبار سے معاشرتی بگاڑ بھی پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ وہ بگاڑ ہے جس کو اسلام دشمن عناصر خوب اچھالتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح یہ کہنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ بگاڑ (معاذ اللہ) نظام اسلام کی وجہ سے ہے جب کہ اس کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ کوئی فریق مسئلہ دین اسلام کے دیئے ہوئے حق کو غلط اور ناجائز طریقہ سے استعمال کرتا ہے اور معاشرہ میں بگاڑ اور فساد کا موجب بنتا ہے۔

اس ضمن میں ہم اس مسئلہ کے احسن نتائج حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل چند قانونی تجاویز پیش کرتے ہیں کہ اگر مجوزہ ترامیم مروجہ قانون میں کردی جائیں تو فبہا لیکن اگر حکومت یہ ترامیم کرنے سے کسی بھی وجہ سے قاصر رہے تو یہ تجاویز موجودہ ملکی عدالتوں کے لیے اس مسئلہ کی بابت مقدمات میں فیصلہ کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔

پہلی تجویز:

موجودہ عائلی عدالتوں (فیملی کورٹس) کو نکاح میں ولی کے باقاعدہ اضافی اختیارات دیئے جائیں۔

یہ تجویز مندرجہ ذیل اوامر کو مدّ نظر رکھ کر دی جارہی ہے؛

اولا: یہ کہ نص سے یہ ثابت ہے کہ:

فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ [174]

ترجمہ: جس کا کوئی ولی نہیں تو اسکا ولی سلطان/حاکم ہے۔

174۔ سنن الترمذی (399/3) حدیث نمبر: 1102، ابوداؤد، ابن ماجہ دارمی/کتاب النکاح

اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ حکومت وقت اپنا یہ حق جو اس شارع نے دیا ہے بذریعہ عدالت استعمال کر سکتی ہے۔

ثانیا: اگر حسب حدیث/ نص عدالت کو ولی کے اختیار دے دیئے جائیں تو اس کی اولین حکمت یہ ہوگی کہ ہمارے معاشرہ میں ایسی تمام لڑکیاں جن کا کوئی ولی نہیں یا جن کا کسی بھی وجہ سے اپنے اولیاء سے دشمنی ہے یا جن کو یہ شبہ ہے کہ ان کے اولیاء ان کے بارے میں حق ولایت بجا طور پر استعمال نہیں کر سکتے یا نہیں کریں گے یا نہیں کرنا چاہتے ہیں تو وہ عدالت سے رجوع کر سکتی ہیں اور اس حق کے صحیح اور احسن استعمال کی توقع بھی کر سکتی ہیں۔

ثالثا: یہ کوئی اچھنبہ کی تجویز نہیں ہے۔ پاکستان میں 1890ء سے قانون ولایت مروج ہے۔ [175] جس میں نابالغ کی حصانت اور انتظام وانصرام کے امور سے متعلق عدالتیں روزانہ فیصلہ کرتی ہیں بلکہ اکثر معاملات میں عدالت سے رجوع کرنے والے لواحقین ہدایات مانگتے ہیں اور اسی طرح اگر نکاح کے مسئلہ میں بھی عدالتوں کو "ولی" کا اختیار دے دیا جائے کہ وہ نکاح میں حق ولایت کے استعمال سے متعلق مقدمات نمٹا سکے یا اسی روشنی میں فیصلے وہدایات جاری کر سکے تو اس سے معاشرہ میں ایک احسن اور بہتر تبدیلی رونما ہوگی۔

رابعا: جس طرح ہر مقدمہ کو گارڈین جج اس کے مخصوص واقعات کے تناظر میں دیکھتا ہے اور بچہ کی حصانت کی بابت فیصلہ کرتا ہے کہ یہ ماں کو ملے یا باپ کو یا کسی اور کو۔ اور اسی طرح اگر کسی نابالغ کی جائیداد اس کے ولی "گارڈین" نے فروخت کرنی ہو تو وہ گو اس

175۔ The Guardian and Ward Act 1890

کا حق رکھتا ہے لیکن اس حق کو بجا طور پر استعمال کرنے کی غرض اور نابالغ کو حق تلفی سے محفوظ رکھنے کے پیش نظر گارڈین جج سے بذریعہ درخواست اجازت لی جاتی ہے اور گارڈین جج بعد از پڑتال اور دیگر پہلوؤں کی تصدیق کرکے اگر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ نابالغ کے حقوق کی حق تلفی نہیں ہورہی یا ان کی حق تلفی ہونے کا اندیشہ لاحق نہیں تو وہ اجازت دے دیتا ہے وغیرہ۔۔۔

بس اسی طرح اگر شادی اور نکاح کے معاملات میں بھی عدالت کو ولی "گارڈین" کے اختیارات ہوں تو کسی لڑکے اور لڑکی کے عدالت سے رجوع کرنے پر اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اگر کسی فیصلہ یا نتیجہ پر پہنچتی ہیں تو اس میں لرکی کے حقوق کا تحفظ بھی ہو جائے گا اور سلطان اور حاکم کی صورت میں ان کا نکاح ولی کی موجودگی سے عاری بھی نہ رہے گا۔ نیز لڑکیوں کو اس بات کی ضمانت بھی ہوگی کہ ان پر کسی قسم کی تعدی اور ظلم نہیں کیا جارہا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس بات کا بھی امکان کم سے کم ہو جائے گا کوئی شخص لڑکی کو ورغلا کر یا نکاح کا جھانسہ دے کر اس کا استحصال کرسکے۔

دوسري تجويز:

اسی عائلی عدالت (فیملی کورٹ) جس کے نکاح معاملہ میں ولی کے اختیارات ہوں وہ متنازعہ نکاح فسخ کرسکتی ہے۔

1- لڑکی کی شکایت پر اگر اس کے ولی نے ولایت کا حق ولایت کے اصولوں کے خلاف استعمال کیا ہو۔

حق ولایت استعمال کرنے کی کوئی بھی شرط پوری نہ کی ہو۔

2- ولی کی شکایت پر اگر لڑکی نے اپنی مرضی سے ایسا نکاح کرلیا ہو جو کہ غیر کفو

میں ہونے کی وجہ سے اولیاء کے لیے باعث عار و شرم ہو یا مہر مثل مقرر نہ کیا
گیا ہو یا اس نکاح سے لڑکی کو کسی قسم کا نقصان پہنچا ہو یا اس کا اندیشہ ہو۔

ہماری یہ دوسری تجویز بھی بر بنائے سنت اور ائمہ کرام کی آراء کی روشنی میں ہے جس کی تفصیل اس کتاب کے مختلف ابواب میں اپنے اپنے مقام پر گزر چکی ہے جس کی یہاں پر دوبارہ ذکر کی ضرورت نہیں۔

یہ تجویز اس لیے بھی اہم ہے کہ اگر حکومت وقت یہ ترمیم نہیں بھی کرتی یا اس وضع پر قانون سازی نہیں بھی کرتی تب بھی عدالتیں اس تجویز پر ایسے مقدمات کا فیصلہ کر سکی ہیں۔

کیونکہ راقم کا تعلق شعبہ وکالت سے ہے اور اس حوالہ سے یہی گذارشات پیش کی جاسکتی ہیں کہ بد قسمتی سے گزشتہ چند برسوں میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ایسے مقدمات کو نام نہاد حقوق انسانی کی مغرب زدہ تنظیمیں [176] (NGO's) یا حقوق نسواں کے نام پر بیرونی اشاروں پر کام کرنے والی تنظیمیں خوب اچھالتی ہیں اور نہ صرف ملک، معاشرہ اور مذہب کے خلاف زہر اگلتی ہیں بلکہ طرح طرح کے الجھاؤ اور بیانات دے کر ذہنوں میں بے بنیاد شبہات پیدا کرنے کی کوشش بھی کرتی ہیں۔ اور مشاہدہ میں یہ آیا ہے کہ متذکرہ بالا افراد اپنے ہدف کو کسی طور حاصل کرنے میں کامیاب بھی رہتی ہیں جس کی کوئی وجوہات ہیں۔

اولا: یہ کہ عدالتوں کی وکلاء برادری کی طرف سے ایسے مذہبی معاملات میں صحیح معاونت (Assistance) نہیں ہوتی اور دوسری یہ کہ کیونکہ ان معاملات میں جو کہ خود واضح ہیں بد قسمتی سے کوئی قانون سازی نہیں ہوتی اور ان معاملات میں وہ کتب جو کہ

176۔ غیر سرکاری تنظیمیں، Non Government Organization

ممد و معاون راہنما ہیں زیادہ تر عربی زبان میں ہیں جن کا اردو یا انگریزی میں ترجمہ نہیں ہوا اور عربی دان طبقہ کی رسائی عدالتوں میں ایسے معاملات در پیش ہونے کے وقت مشکل بلکہ ناممکن ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ تنظیمیں یا افراد جو یہ کام منظّم منصوبہ بندی کے تحت کر رہے ہیں ایسے معاملات میں کسی حد تک عدالتوں کو ورغلانے یا مسئلہ کی اصل تک پہنچنے میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہیں۔ یہاں ہمارا مقصد فی الحال ان تنظیموں کی مخالفت نہیں کیونکہ وہ جو کچھ کر رہی ہیں وہ واضح اور عیاں ہے اور ان کے پیچھے کار فرما قوتوں کا مقصد بھی واضح ہے۔ یہاں ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اس تجویز کو مدّ نظر رکھا جائے تو عدالتیں اس قسم کے ہر مقدمہ کا فیصلہ اس کے مخصوص حالات و واقعات کے پیش نظر کرتے وقت بطور راہنما اصولوں کی مدد لے سکتی ہیں۔

تیسری تجویز:

اس عائلی عدالات (فیملی کورٹ) جس کے پاس ولی کا اختیار بھی ہو تعزیر نافذ کر سکتی ہے۔

1- نکاح کرنے اور کرانے والوں پر اگر نکاح خفیہ طریقہ سے کیا گیا ہو۔

2- نکاح کرانے والے ولی پر اگر اس نے لڑکی کا نکاح کسی ذاتی لالچ، منفعت یا بدنیتی کے پیش نظر کرایا ہو۔

یہ رائے کہ اس قسم کی تعزیرات کا نفاذ ہو سکتا ہے یا ہونا چاہیے۔ صحابہ کرام اور ائمہ کرام کی آراء کی روشنی میں دی جا رہی ہے۔ نیز اس ضمن میں احکام شریعت کے ایک اصول کی وضاحت بھی ضروری ہے۔

وہ اصول جو کہ مولانا مودودی نے بیان فرمایا ہے:

”شریعت کی تمام رخصتوں کے معاملہ میں، جن سے ناجائز فائدہ اٹھائے جانے کا

اندیشہ پایا جاتا ہو مسلمانوں کے اولی الامر کو امتناعی احکام جاری کرنے کا حق ہے اور اس قسم کے امتناعی احکام جائز کو ناجائز اور حلال کو حرام کے بغیر نافذ کیئے جا سکتے ہیں۔"

مولانا مودودی کی متذکرہ بلارائے کی روشنی میں تیسری تجویز کی تشریح و وضاحت کچھ اس طرح کی جا سکتی ہے کہ یہ تعزیرات نافذ کرنے کا اصل سبب یہ ہے کہ شریعت نے لڑکی کو اپنی شادی کرنے کی بابت جو آزادی رائے اور آزادی اظہار کا حق دیا ہے وہ اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھانے اور اپنے اس حق کو غلط طریقہ سے استعمال کرکے معاشرہ میں بگاڑ کا سبب نہ بننے اور اسی طرح ولی پر جو ذمہ داری عائد کی گئی ہے وہ اس کو کما حقہ پورا بگاڑ کا سبب نہ بنے اور اسی طرح ولی پر جو ذمہ داری عائد کی گئی ہے وہ اس کو کما حقہ پورا کرے اور اس ذمہ داری کی بجائے آوری میں کوتاہی نہ کرے اور اس کی بجا آوری میں کمی نہ کرے اور اگر دیدہ دانستہ یا کسی دشمنی یا بدنیتی سے ایسا کرتا ہے تو وہ تعزیر کا حقدار ہوگا کہ اس نے اللہ کی دی ہوئی اس اہم ذمہ داری کو غلط استعمال کیا۔ صحیح استعمال کرنا اس کا فرض تھا۔

تعزیر کے نفاذ کے ضمن میں سب سے قوی قول جس کی بناء پر رائے قائم کی گئی ہے وہ حضرت عمر کا ہے جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

اختتامیہ

اختتامیہ

اس کتاب کو تحریر کرنے کا اصل مقصد اس موضوع سے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں پیدا شدہ ابہام اور الجھاؤ کو ختم کرنا ہے۔ نیز اس مسئلہ کے عملی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے فی زمانہ انکا حل تلاش کرنا ہے۔

کیونکہ یہ مسئلہ شرعی اور معاشرتی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عملی قانونی پہلو بھی رکھتا ہے اس لیے اس کتاب میں عملی قانونی پہلو کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ اور امید کی جاتی ہے کہ اگر معزز جج صاحبان اور وکلاء حضرات اس کتاب کو پڑھ لیں تو یہ کتاب معاشرہ میں پیدا ہونے والی کئی برائیوں اور خرابیوں کا تدارک کرنے میں مدومعاون ثابت ہوگی۔

جہاں تک ہماری ان قانونی تجاویز کا تعلق ہے جو ہم نے اس کتاب کے آخری حصہ میں پیش کی ہیں تو ان میں سے ایک پر عمل پیرا ہونے کے لیے تو کسی قانونی ترمیم کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ معزز عدالتیں س کے حوالہ سے ایسے مقدمات کا اس تجویز کی روشنی میں اور اس کتاب میں موجود موضوع پر مواد کو مد نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کر سکتی ہیں۔ رہی بات باقی دو تجاویز کی تو اس ضمن میں رب کریم سے دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ وہ حکومت اور ارباب حل وعقد کو یہ توفیق دے کہ وہ ملکی قوانین کو صحیح اسلامی رنگ دے سکیں۔ ہماری تو سرف تین تجاویز ہیں۔

جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کا مکمل "مجموعہ قوانین اسلام" اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات سب موجود ہیں اور اس کے علاوہ بے شمار مواد ہے لیکن بات نیت اور عمل کی ہے۔ وماتوفیقی إلا باللہ!!

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اس کتاب کا مقصد فقہاء کی مفصل بحثوں اور دلائل کو بالتفصیل نقل کرنا نہیں بلکہ ان کو جتنا سلیس انداز میں ممکن ہوسکے مختصراً بیان کیا گیا ہے تاکہ

عام قاری جو کہ اس موضوع سے کسی طور پر عملی وابستگی رکھتا ہو جیسے وکلاء حضرات وغیرہ یا اس موضوع میں کوئی شخص دلچسپی کسی ذاتی وجہ سے رکھتا ہو تو مسئلہ کو سمجھ سکے۔

یہی وجہ ہے کہ جب اس کتاب کا مسودہ تیار کیا گیا تو (Institute of policy studies) اسلام آباد کے تعاون سے ایک قبل از اشاعت سیمینار (Prepublication seminar) کرایا گیا جس کے لیے ہم اس ارادہ اور اس کے ناظم اعلیٰ جناب خالد رحمٰن صاحب کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔ یہ سیمینار ڈاکٹر انیس احمد صاحب کی زیر صدارت ہوا جس میں مہمان خصوصی جناب جسٹس فدا محمد خان صاحب تھے۔ اس سیمینار میں اس کتاب کے پہلے مسودہ پر کھلے دل اور کھلے لفظوں مثبت اور جامع تنقید ہوئی اور کیونکہ ناقدین میں علماء، دانشور، اساتذہ اور وکلاء وغیرہ سب شامل تھے جن کو پہلے سے اس مسودہ کی نقول مہیا کر دی گئیں تھیں۔ لہٰذا ہر قسم کی تجویز اور تعمیری تنقید جس کو آخر میں جناب جسٹس فدا محمد خان صاحب نے نہایت جامعیت سے اپنے الفاظ میں مجتمع کرکے بیان فرمائی گئ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تجاویز کی روشنی میں کتاب کی موجودہ ترتیب و تشکیل دی گئ جس میں سب سے زیادہ سہرا جناب ڈاکٹر طارق جان صاحب کی عملی تجاویز کے سر ہے۔

کتاب کے اس پس منظر کو بیان کرنے کا ہمارا اصل مقصود یہ ہے کہ اس کتاب سے عملی فائدہ اٹھایا جائے اور یہ کتاب اس مسئلہ کے حوالہ سے عملی حل پیش کرنے میں معاون ثابت ہو۔

وما علینا الا البلاغ

وما توفیقی الا باللہ

کتابیات

القرآن الکریم

البقرۃ: 144، البقرۃ: 187، البقرۃ: 187، البقرۃ: 221، البقرۃ: 230، البقرۃ: 232، البقرۃ: 232، البقرۃ: 234، البقرۃ: 240، البقرۃ: 257، آل عمران: 63، آل عمران: 64، آل عمران: 68، آل عمران: 81، آل عمران: 82، آل عمران: 68، آل عمران: 111، النساء: 6، ، النساء: 21، النساء: 76، النساء: 135، النساء: 154، المائدۃ: 51، المائدۃ: 56، المائدۃ: 81، الأنعام: 62، الأنعام: 96، الأعراف: 3، الأعراف: 27، الأعراف: 30، الأعراف: 196، الأنفال: 16، الأنفال: 20، الأنفال: 40، الأنفال: 40، الأنفال: 75، الأنفال: 72، التوبۃ: 23، التوبہ: 67، الرعد: 11، النحل: 80، النحل: 100، الاسراء: 111، الکہف: 17، مریم: 5، الحج: 78، القصص: 63، القصص: 73، العنکبوت: 25، الروم: 21، الأحزاب: 6، فصلت: 26، التحریم: 4، الدخان: 41، محمد: 11، محمد: 38، الممتحنۃ: 1، الجمعۃ: 6، التغابن: 12، نوح: 7 ، القیامۃ: 34، الغاشیۃ: 23

1. احکام الاسرہ فی الفقہ الاسلامی
2. احکام بلوغت، ڈاکٹر جسٹس محمود احمد غازی
3. الاستبصار، المؤلف: شیخ الطائفۃ ابو جعفر الطوسی
4. الاشباہ لابن نجیم، الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِي حَنِيفَةَ النُّعْمَانِ، المؤلف: زین الدین بن ابراہیم بن محمد، المعروف بابن نجیم المصری (المتوفی: 970ھ) وضع حواشیہ وخرج احادیثہ: الشیخ زکریا عمیرات، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت - لبنان
5. الاشباہ والنظائر، المؤلف: عبد الرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین السیوطی (المتوفی: 911ھ)، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ: الاولی، 1411ھ-1990م

6. اقرب الموارد، المؤلف: سعید الخوری الشرتونی اللبنانی، منشورات مکتبہ آیت اللہ العظمی المرعشی النجفی، 1403ھ

7. انوار التنزیل واسرار التاویل، المؤلف: ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی (المتوفی: 685ھ)، المحقق: محمد عبد الرحمٰن المرعشلی، الناشر: دار احیاء التراث العربی —بیروت، الطبعۃ: الاولی

8. بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، المؤلف: علاء الدین، ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی (المتوفی: 587ھ) الناشر: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ: الثانیۃ، 1406ھ-1986م

9. بیان القرآن، حکیم الامت اشرف علی تھانوی، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

10. بیان اللسان،

11. تاج العروس من جواہر القاموس، المؤلف: محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسینی، ابو الفیض، الملقّب بمرتضی، الزَّبیدی (المتوفی: 1205ھ)، المحقق: مجموعۃ من المحققین، الناشر: دار الہدایۃ

12. ترجمان القرآن، ابو الکلام آزاد، اسلامی اکادمی

13. تفسیر الجلالین، المؤلف: جلال الدین محمد بن احمد المحلی (المتوفی: 864ھ) وجلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (المتوفی: 911ھ)، الناشر: دار الحدیث —القاہرۃ

14. تفسیر الدر المنثور، المؤلف: عبد الرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین السیوطی (المتوفی: 911ھ)، الناشر: دار الفکر —بیروت

15. تفسیر القرآن الحکیم، الشیخ محمد عبدہ

16. تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر)، المؤلف: ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی (المتوفی: 774ھ)، المحقق: محمد حسین شمس الدین، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، منشورات محمد علی بیضون —بیروت

17. تفسیر تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی

18. تفسیر تفہیم القرآن، سید ابوالاعلی مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
19. تفسیر معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع، مکتبہ معارف القرآن کراچی
20. تفسیر معارف القرآن، مفتی محمد شفیع
21. تفہیم القرآن، سید ابوالاعلی مودودی، ترجمان القرآن، لاہور
22. جامع البیان فی تاویل القرآن، المؤلف: محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی، ابو جعفر الطبری (المتوفی: 310ھ)، المحقق: احمد محمد شاکر، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ
23. جمع الجوامع، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین السیوطی (المتوفی: 911ھ)
24. حقوق الزوجین، سید ابوالاعلی مودودی
25. دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
26. روائع البیان تفسیر آیات الاحکام، المؤلف: محمد علی الصابونی، الناشر: مکتبہ الغزالی - دمشق، مؤسسۃ مناہل العرفان — بیروت
27. روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، المؤلف: شہاب الدین محمود بن عبد اللہ الحسینی الالوسی (المتوفی: 1270ھ)، المحقق: علی عبد الباری عطیہ، الناشر: دار الکتب العلمیۃ — بیروت، الطبعۃ: الاولی، 1415ھ
28. زاد المسیر فی علم التفسیر، المؤلف: جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی (المتوفی: 597ھ)، المحقق: عبد الرزاق المہدی، الناشر: دار الکتاب العربی - بیروت
29. سنن ابن ماجہ، المؤلف: ابن ماجۃ ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، وماجۃ اسم ابیہ یزید (المتوفی: 273ھ)، تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقی، الناشر: دار احیاء الکتب العربیۃ - فیصل عیسی البابی الحلبی
30. سنن ابی داود، المؤلف: ابو داود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السِّجِستانی (المتوفی: 275ھ)، المحقق: محمد محیی الدین عبد الحمید، الناشر: المکتبۃ العصریۃ، صیدا - بیروت

31. سنن الترمذی، المؤلف: محمد بن عیسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، الترمذی، ابو عیسى (المتوفى: 279ھ)، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي – مصر، الطبعة: الثانية، 1395ھ-1975م

32. سنن الدارقطنی، المؤلف: ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مهدی بن مسعود بن النعمان بن دینار البغدادی الدارقطنی (المتوفى: 385ھ)، الناشر: مؤسسة الرسالة، بیروت – لبنان

33. السنن الكبرى، المؤلف: احمد بن الحسين بن علی بن موسى الخُسْرَوْجِردی الخراسانی، ابو بکر البیهقی (المتوفى: 458ھ)، المحقق: محمد عبد القادر عطا، الناشر: دار الكتب العلمية، بیروت – لبنات، الطبعة: الثالثة، 1424ھ-2003م

34. الصحاح تاج اللغة وصحاح العربیہ، المؤلف: ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوہری الفارابی (المتوفى: 393ھ)، تحقیق: احمد عبد الغفور عطار، الناشر: دار العلم للملايين – بیروت، الطبعة: الرابعة 1407ھ-1987م

35. صحیح مسلم؛ المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، المؤلف: مسلم بن الحجاج ابو الحسن القشیری النیسابوری (المتوفى: 261ھ) المحقق: محمد فؤاد عبد الباقی، الناشر: دار احیاء التراث العربی – بیروت

36. عورت، اسلامی معاشرہ میں، سید جمال الدین عمری

37. فتح القدیر، المؤلف: محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی الیمنی (المتوفى: 1250ھ)، الناشر: دار ابن کثیر، دار الکلم الطیب - دمشق، بیروت

38. الفِقْهُ الاسلاميُّ وادلَّتُہ، المؤلف: ا. د. وَهْبَہ الزُّحَيْلِيّ، الناشر: دار الفكر - سوريّة – دمشق

39. الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، المؤلف: عبد الرحمٰن بن محمد عوض الجزیری (المتوفى: 1360ھ)، الناشر: دار الكتب العلمية، بیروت – لبنان

40. قاموس الفاظ القرآن الکریم

41. القاموس المحیط، المؤلف: مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی (المتوفی: 817ھ)، تحقیق: مکتب تحقیق التراث فی مؤسسۃ الرسالۃ، باشراف: محمد نعیم العرقسُوسی، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت — لبنان
42. کتاب الام، المؤلف: الشافعی ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف المطلبی القرشی المکی (المتوفی: 204ھ)، الناشر: دار المعرفۃ — بیروت، الطبعۃ: بدون طبعۃ، 1410ھ/1990م
43. المبسوط، المؤلف: محمد بن احمد بن ابی سہل شمس الائمۃ السرخسی (المتوفی: 483ھ)، الناشر: دار المعرفۃ — بیروت
44. مجموعہ قوانین اسلام، ڈاکٹر جسٹس تنزیل الرحمٰن
45. محاسن التاویل، المؤلف: محمد جمال الدین بن محمد سعید بن قاسم الحلاق القاسمی (المتوفی: 1332ھ)، المحقق: محمد باسل عیون السود، الناشر: دار الکتب العلمیہ - بیروت
46. المختار
47. المدونۃ، المؤلف: مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی (المتوفی: 179ھ)، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ: الاولی، 1415ھ-1994م
48. مسند ابی حنیفۃ، المؤلف: ابو حنیفۃ النعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ (المتوفی: 150ھ)، تحقیق: عبد الرحمٰن حسن محمود الناشر: الآداب - مصر
49. مسند الامام احمد بن حنبل، المؤلف: ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد الشیبانی (المتوفی: 241ھ)، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ
50. مسند الدارمی المعروف ب- (سنن الدارمی)، المؤلف: ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن الفضل بن بَہرام بن عبد الصمد الدارمی، التمیمی السمرقندی (المتوفی: 255ھ)، تحقیق: حسین سلیم اسد الدارانی، الناشر: دار المغنی للنشر والتوزیع، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ

51. مشکاۃ المصابیح، المؤلف: محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری، ابو عبد اللہ، ولی الدین، التبریزی (المتوفی: 741ھ)، الناشر: المکتب الاسلامی — بیروت

52. المصنف، المؤلف: ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الیمانی الصنعانی (المتوفی: 211ھ)، الناشر: المکتب الاسلامی — بیروت

53. المعجم الوسیط:

54. مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج، المؤلف: شمس الدین، محمد بن احمد الخطیب الشربینی الشافعی (المتوفی: 977ھ)، الناشر: دار الکتب العلمیہ، الطبعۃ: الاولی، 1415ھ-1994م

55. المغنی لابن قدامۃ، المؤلف: ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ الجماعیلی المقدسی ثم الدمشقی الحنبلی، الشہیر بابن قدامۃ المقدسی (المتوفی: 620ھ)، الناشر: مکتبۃ القاہرۃ،

56. المغنی لابن قدامۃ، المؤلف: ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ الجماعیلی المقدسی ثم الدمشقی الحنبلی، الشہیر بابن قدامۃ المقدسی (المتوفی: 620ھ)، الناشر: مکتبۃ القاہرۃ،

57. مفاتیح الغیب = التفسیر الکبیر، المؤلف: ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی الملقب بفخر الدین الرازی خطیب الری (المتوفی: 606ھ)، الناشر: دار احیاء التراث العربی - بیروت

58. المفردات فی غریب القرآن، المؤلف: ابو القاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفہانی (المتوفی: 502ھ)، محقق: صفوان عدنان الداودی، ناشر: دار القلم، الدار الشامیہ - دمشق بیروت، الطبعۃ: الاولی-1412ھ

59. المنتقی للمجد بن تیمیۃ، طبع اول: مطبع فاروقیہ دہلی

60. المنجد، مؤلف: لویس معلوف، مترجم: عبد الحفیظ بلیاوی، طبع: خزینہ علم وادب

61. مواہب الرحمٰن، سید امیر علی ملیح آبادی

62. الموطا، المؤلف: مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی (المتوفی: 179ھ)، المحقق: محمد مصطفیٰ الاعظمی، الناشر: مؤسسۃ زاید بن سلطان آل نہیان للاعمال الخیریۃ والانسانیۃ- ابوظبی –الامارات،

63. نیل الاوطار، المؤلف: محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی الیمنی (المتوفی: 1250ھ)، تحقیق: عصام الدین الصبابطی، الناشر: دار الحدیث، مصر، الطبعۃ: الاولی، 1413ھ - 1993م

64. A dictionary of Moderen Written Arabic

65. Arabic English Dictionary

66. Arabic English Lexicon

67. Dictionary arabe-Franciais-Anglais